الھدیٰ (202)

سورۃ النساء (آیات 49 تا 53)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝

''کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے تئیں پاکیزہ کہتے ہیں؟ (نہیں) بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے اور اُن پر کھجور کے دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔ دیکھو یہ اللہ پر کیسا جھوٹ (طوفان) باندھتے ہیں' اور یہی گناہ صریح کافی ہے۔ بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مؤمنوں کی نسبت سیدھے رستے پر ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے' اور جس پر اللہ لعنت کرے تو تم اس کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔ کیا اُن کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے پھر تو لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں گے؟''

یہودی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے چہیتے سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: We are the chosen people of the Lord۔ سورۃ المائدۃ میں اُن کا قول آئے گا: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۗؤُهٗ﴾ ''ہم اللہ کے بیٹے بلکہ اُس کے چہیتے اور لاڈلے ہیں''۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جو دوسرے ہیں وہ Gentiles ہیں' دیکھنے میں بیشک انسان نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں حیوان ہیں' گھٹیا مخلوق ہیں۔ ان کو جس طرح چاہو لوٹو کھسوٹو۔ ان کے مال کھاؤ' اذیتیں دو' دھوکہ دو' سب جائز ہے' ان کے بارے میں ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ ان کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرنا روا ہے۔ جیسے ایک ہرن پھر رہا ہے' آپ نے شکار کر لیا' کھا لیا' آپ سے کوئی نہیں پوچھے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ گویا یہ انسان نما حیوان ہیں' ان کے ساتھ جو چاہو کرو۔

یہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جسے چاہے پاک کرتا ہے' تم خود اپنے کہنے سے پاک نہیں ہو جاؤ گے۔ ہاں اُن پر کسی طرح کا ظلم کھجور کے دھاگے کے برابر بھی نہیں کیا جائے گا۔ یہاں لفظ فتیل ہے' فتیل اُس باریک ریشے کو کہتے ہیں جو دھاگے کے مانند کھجور کی گٹھلی کے ساتھ چمٹا ہوتا ہے۔ کھجور وہاں عام تھی' تو چھوٹی سے چھوٹی چیز جو لوگوں کے مشاہدے میں تھی اسی سے مثال لی جا سکتی تھی۔ یعنی لوگوں پر معمولی سے معمولی درجے کا ظلم بھی روا نہیں رکھا جائے گا۔

یہ لوگ کیسے اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں' اور یہی گناہ ان کی گرفت اور عذاب دینے کے لیے کافی ہے جو انہوں نے گھڑ لیا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جنہیں کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا کہ وہ مانتے ہیں بتوں کو اور شیطان کو' اور کہتے ہیں کافروں کو کہ یہ لوگ یعنی مشرکین مسلمانوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔ ضدم ضدا کا نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اہل کتاب کو معلوم تھا کہ محمد ﷺ اور اُن کے ساتھی کن کن باتوں میں اُن سے مشابہ تھے۔ توحید کے قائل تھے' آخرت کو مانتے تھے' موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے' تورات کو الہامی کتاب جانتے تھے۔ اب ضد میں آ کر کہہ رہے ہیں کہ یہ مشرک تو مسلمانوں سے بہتر ہیں' یعنی ان کا دین بھی مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے۔ اس طرح مشرکوں کو کہتے ہوں گے کہ آپ کے بتوں کی بھی کوئی حیثیت ہے مگر مسلمانوں کے پاس تو کچھ بھی نہیں' یہ تو سرے سے بالکل کورے ہیں۔ پس یہی وہ اہل کتاب ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرما دی ہے' اور جس پر اللہ نے ہی لعنت کر دی ہو تم اُس کے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ کیا بادشاہت اور اختیارات میں ان کا کوئی حصہ ہے جو انہوں نے یہ تقسیم کر لی ہے کہ سب کچھ ہمارے لیے ہے اور باقی انسان تو بس حیوانوں کے مانند ہیں؟ یہ فیصلہ انہوں نے کس اختیار سے کیا ہے؟ ان کے پاس یہ اختیار کہاں سے آیا کہ انسانوں میں اس طرح کی درجہ بندی کر دیں؟ بادشاہی تو اللہ کی ہے جو مالک الملک ہے۔ کیا انہیں کوئی اختیار اللہ سے ملا ہوا ہے؟ اگر بالفرض ایسا ہو جاتا تو یہ کسی انسان کو تل کے برابر بھی کوئی شے دینے کو تیار نہ ہوتے۔

فرمانِ نبویؐ

خندہ پیشانی اور فیاضی

چودھری رحمت اللہ بٹر

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ اَخِيْكَ)) (رواہ الترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نیکی کا ہر کام صدقہ ہے (اور اس پر اجر ہے) تُو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملے تو یہ بھی نیکی ہے۔ اور اپنے ڈول سے تھوڑا سا پانی اپنے بھائی کے برتن میں ڈال دے تو یہ بھی نیکی ہے۔''

مؤمن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ایمان کا رشتہ اہل ایمان کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ دوسرے رشتوں کے مقابلے میں یہ رشتہ سب سے زیادہ قوی اور دیرپا ہے۔ دوسرے رشتے ٹوٹ بھی سکتے ہیں لیکن یہ ایک ایسا مضبوط رشتہ ہے جو نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت کی زندگی میں بھی برقرار رہے گا۔

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر ۵/ ۹/ ۲۰
۳۶ ۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

منموہن سنگھ کی خواہش اور ہم

بھارتی وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے اپنے غیرملکی دورے کے دوران بھارتی صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگرچہ پاکستان کے صدر مشرف سے مسئلہ کشمیر سمیت تمام مسائل پر گفتگو ہوگی لیکن سرحدوں میں کسی قسم کی تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا‘ البتہ تجارتی اور ثقافتی تعلقات کو بڑھا کر اِن سرحدوں کو ’’غیر متعلق‘‘ کیا جا سکتا ہے۔ بھارت ایک عرصہ سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ پاکستان اسے تجارتی سطح پر ’’Most friendly country‘‘ یعنی انتہائی پسندیدہ ملک قرار دے۔ یہ اقوامِ متحدہ کی سطح پر استعمال کی جانے والی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں ممالک جنہوں نے تجارتی سطح پر ایک دوسرے کو ’’انتہائی پسندیدہ ملک‘‘ قرار دیا ہو‘ تجارت میں ایک دوسرے کو باقی دنیا کی نسبت ترجیح دیں گے۔ درآمدی برآمدی ڈیوٹیاں نہ ہونے کے برابر ہوں گی۔

ڈاکٹر من موہن سنگھ کے بیان کو سامنے رکھا جائے کہ سرحدوں میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں البتہ ثقافتی راہ و رسم اور تجارتی تعلقات سے اِن سرحدوں کو غیر متعلق یعنی بے معنی کر دیا جائے‘ اور اِس بیان کے پس منظر میں اپنے حکمرانوں کی بھارت سے تعلقات کے حوالہ سے حکمتِ عملی کا جائزہ لیا جائے تو ایک بات بالکل واضح ہو جاتی ہے‘ وہ یہ کہ ہمارا مقتدر طبقہ تحریک پاکستان کے محرکات سے بالکل ناآشنا اور ناواقف ہے۔ پاکستان کے مذہبی طبقات اور عام غیر سیاسی مسلمان پختہ یقین رکھتے ہیں کہ تقسیم ہند کی بنیاد یا پاکستان کا اساسی نظریہ یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند ایک ایسا الگ وطن چاہتے تھے جو صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست کہلا سکے‘ جبکہ سیکولر ذہن رکھنے والا طبقہ تحریک پاکستان کی بنیاد معاشی خوف سمجھتا ہے‘ یعنی ایک چھوٹی قوم کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ بڑی قوم اُسے معاشی طور پنپنے نہیں دے گی۔ ہم اِس وقت اِس بحث میں نہیں اُلجھتے کہ جس خاص قوم کو معاشی خوف لاحق ہوا تھا اُس کا مذہب اسلام تھا تب بھی تقسیم کی اصل بنیاد مذہب ہی قرار پائے گی۔

اصل بات یہ ہے کہ من موہن سنگھ کا بیان ہر دو طبقات کے لیے خطرہ کی گھنٹی ہے۔ معاشی اور تجارتی نکتہ نظر سے دیکھیں تو پاکستان اور بھارت میں بجلی کی قیمت اور لیبر ریٹ میں بڑا نمایاں فرق ہے‘ علاوہ ازیں بھارتی حکومت اپنے صنعتی اور تجارتی لوگوں کو اتنی مراعات دیتی ہے کہ آزادانہ اور بھرپور تجارت کی صورت میں ہماری انڈسٹری بالکل ہی بیٹھ جائے گی۔ ہماری مارکیٹ بھارتی اشیا سے لدی ہوئی نظر آئے گی اور ہمارا تاجر اُن کا سیل مین بن کر رہ جائے گا۔ دوسری طرف ثقافتی راہ و رسم اور زیادہ عوامی میل جول نظریاتی سطح پر تباہ کن ثابت ہوگا‘ اِس لیے کہ تمام تر زبانی دعووں کے باوجود اپنے دین کے ساتھ ہمارا تعلق رسمی اور مسخ شدہ ہے‘ ہم اپنے اسلاف کی روایات کو دقیانوسی کہنے لگے ہیں‘ ناچ گانے اور اچھل کود کرنے والی تہذیب کو روشن خیالی سمجھتے ہیں۔ ہمارا نوجوان مغربی تہذیب کا دلدادہ ہو چکا ہے جو ہندو تہذیب کے بہت قریب ہے۔ ہندو کی تو عبادت میں بھی راگ رنگ کا عنصر غالب ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ حکمران طبقہ تو عرصہ سے لبرل ازم کا قائل ہے۔ اب تو ہماری مذہبی خصوصاً مذہبی سیاسی جماعتوں نے بھی اسلام کا نام لینے سے گریز کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر سرحدیں غیر متعلق اور بے معنی ہو جاتی ہیں تو حقیقی غلبہ کس کو حاصل ہوگا؟ یہ جاننے کے لیے کوئی نیا فلسفہ بگھارنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اکھنڈ بھارت کی طرف پیش قدمی ہے۔ اور ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ایسی واپسی کبھی باعزت نہیں ہوا کرتی۔ اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم بھارت سے اچھے اور قریبی تعلقات قائم کرنے کے حق میں نہیں۔ ہمارا بھلا اور ملکی و ملی مفاد اِس میں ہے کہ پہلے ہم اپنا ہوم ورک مکمل کریں‘ یعنی انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلام کا دامن تھام لیں۔

ذرا تصور کریں کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست ہے (اے کاش یہ خواب حقیقت بن جائے) پھر ہم بھارت کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کریں۔ باڈر سافٹ ہو جائیں۔ عوامی سطح پر میل جول عروج پر پہنچ جائے۔ پاکستان میں اسلامی نظام کے ثمرات ظاہر ہو رہے ہوں‘ ایسے میں ہم قرآن کا پیغام لے کر وہاں جائیں تو ہندو تہذیب مقابلے میں کیسے ٹھہر سکے گی۔ ہندوستان کے میدانوں میں ہندو تہذیب کا وہی حشر ہوگا (باقی صفحہ 8 پر)

’’تا خلافت کی بنا‘ دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

جلد 14 | 15 تا 21 ستمبر 2005ء | 10 تا 16 شعبان المعظم 1426ھ | شمارہ 34

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد‘ طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس‘ ریلوے روڈ‘ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔اے‘ علامہ اقبال روڈ‘ گڑھی شاہو‘ لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے‘ ماڈل ٹاؤن‘ لاہور۔54700
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ‘ ایشیا‘ افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ‘ کینیڈا‘ آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ‘ منی آرڈر یا پے آرڈر
’’مکتبہ خدام القرآن‘‘ کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

ادارہ کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بالِ جبریل کی بارہویں غزل

ضمیرِ لالہ مے لعل سے ہوا لب ریز
اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرہیز

بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی!
کیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز

پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
جہاں وہ چاہیے مجھ کو کہ ہو ابھی نوخیز!

کسے خبر ہے کہ ہنگامۂ نشور ہے کیا؟
تری نگاہ کی گردش ہے میری رستاخیز!

نہ چھین لذتِ آہِ سحر گہی مجھ سے!
نہ کر نگہ سے تغافل کو التفات آمیز!

دلِ غمیں کے موافق نہیں ہے موسمِ گل!
صدائے مرغِ چمن ہے بہت نشاط انگیز

حدیثِ بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز!

1۔ جب موسمِ بہار آیا تو ساقیٔ فطرت نے گلِ لالہ میں (جس کی شکل جامِ شراب سے مشابہ ہوتی ہے) سُرخ رنگ کی شراب بھر دی۔ جب زاہد نے یہ منظر دیکھا تو اُسے یہ خیال پیدا ہُوا کہ ساقیٔ فطرت مے نوشی کی دعوت دے رہا ہے۔ اس لیے اُس نے احتیاط بلائے طاق رکھ دی اور مے نوشی شروع کر دی۔

''ضمیرِ لالہ'' سے مُراد محض گلِ لالہ مُراد ہے۔ ''مے لعل'' کا مطلب سُرخ رنگ کی شراب ہے۔ اقبال نے ''پرہیز'' کو لغت میں مذکر ہے مؤنث باندھا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی رائے میں: ''اس جگہ مؤنث باندھنا صحیح ہے' کیونکہ جب اس لفظ کو کسی طبیب کی ہدایات پر عمل کرنے کے معنی میں استعمال کیا جائے تو مؤنث ہے' اور اگر کسی بات یا کام سے اجتناب کے معنی میں استعمال کیا جائے تو مذکر ہے''۔

2۔ عشق میں وہ قوت ہے کہ وہ بوریا نشینوں کو پرویز بادشاہ کی سی شوکت و جلالت عطا کر دیتا ہے' بلکہ بادشاہ اِن فقیروں کے سامنے لرزہ بر اندام رہتے ہیں اور اُن کے دربار میں اگر آخری صف میں بھی جگہ مل جائے تو اُسے اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں۔ یہی بات اقبال نے ایک اور شعر میں یُوں نظم کی ہے:

فقر کے ہیں معجزات' تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر' فقر ہے شاہوں کا شاہ

3۔ اے خدا' یہ دنیا تو پُرانی ہو گئی ہے۔ اس میں اب کچھ دلچسپی اور دلکشی باقی نہیں رہی ہے' اس لیے اگر تجھے واقعی میرا امتحان مقصود ہے تو مجھے ایسی دنیا میں بھیج دے جو ابھی ''نوخیز'' ہو' اور اُس میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ مجھے اپنی طرف مائل کر سکے۔ میرے لیے کوئی ایسا جہاں پیدا کر' جہاں میں اپنے عشق کا ثبوت پیش کر سکوں۔ یہ فرسودہ اور قدیم جہاں میرے عشق کے امتحان کے لائق نہیں۔

اِس شعر میں لفظ ''نوخیز'' شعر کی جان ہے اور شعر کا سارا لُطف اِسی ایک لفظ میں پوشیدہ ہے۔ اس کی وجہ سے شعر میں غضب کا رنگِ تغزل پیدا ہو گیا ہے۔

4۔ لوگ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن بڑا زبردست ہنگامہ بپا ہو گا' لیکن اُس کی نوعیت اور کیفیت کیا ہو گی' مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ میرے لیے تیری نگاہ کی گردش ہی قیامت ہے۔ یعنی اے خدا! جب تُو میری طرف سے نظر التفات پھیر کر کسی اور کی طرف دیکھتا ہے تو میرے دل پر قیامت گزر جاتی ہے۔

ہنگامہ نشور (قیامت کا ہنگامہ)۔ رستاخیز (قیامت خیز)

5۔ اے محبوب! مدتوں کی ریاضت کے بعد کہیں جا کر آہِ سحر گاہی سے لطف اندوز ہونے کی استعداد پیدا ہوئی ہے۔ اگر تُو اپنے تغافل میں التفات کا رنگ بھی شامل کر دے گا تو آہ و فریاد کی لذت جاتی رہے گی' اور یہ لذت چونکہ مدارِ زندگی بن گئی ہے' اس لیے میں نگاہِ التفات نہیں چاہتا۔ شعر کی تشریح یہ ہے کہ عاشق نے ابتدا میں یہ کوشش کی کہ محبوب میری طرف التفات کرے' لیکن اُس نے تغافل اختیار کر لیا۔ اس کے تغافل سے فراق کا دَور شروع ہُوا۔ اِس حالتِ فراق میں عاشق نے آہ و فریاد شروع کی' کیونکہ فراق کا تقاضا یہی ہے۔ اِس آہِ سحر گاہی سے دل میں سوز و گداز پیدا ہُوا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ فراق میں تو عجیب لذت پنہاں ہے' اس لیے عاشق نے اس لذتِ فراق کو مقصودِ حیات بنا لیا۔ اتفاقاً ایک عرصے کے بعد محبوب سے ملاقات ہوئی تو اُس نے عاشق پر نگاہِ التفات مبذول کی۔ اس پر عاشق نے وہ بات کہی' جسے اقبال نے نظم کیا ہے۔

6۔ عاشق چونکہ فراق اور غم کا خوگر ہے' اس لیے کہتا ہے کہ موسمِ بہار میرے مزاج کے موافق نہیں ہے' کیونکہ بلبل کی آواز میں خوشی و نشاط کا رنگ پایا جاتا ہے' اور میں کسی کے فراق میں مسرت و خوشی سے محروم ہو چکا ہوں' اس لیے مجھے اُس کی نشاط انگیز آواز اچھی معلوم نہیں ہوتی۔

7۔ اقبال کہتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان کو زمانے کے ساتھ چلنا چاہیے' یعنی زمانے کے حالات اور ماحول کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیے' وہ حقیقت سے بے خبر ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر زمانہ تمہاری مرضی کے مطابق نہ چلے تو تم اُس سے جنگ کرو اور اُسے اپنی اطاعت پر مجبور کرو۔ اکبر الٰہ آبادی نے بھی اِس نکتے کو اپنے اِس شعر میں نظم کیا ہے:۔

ناز کیا اِس پہ جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں!

سفرِ معراج، بیت المقدس کی تولیت اور قضیہ اسرائیل

[illegible] دارالاسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 2 [illegible]

حضرات! آج ماہ رجب کی 28 تاریخ ہے۔ جو شب گزری ہے اس میں آنحضور ﷺ کو معراج نصیب ہوئی۔ یہ معراج کس سال ہوئی' اگرچہ اس میں کچھ اختلاف ہیں' لیکن جو بااعتماد روایات ہیں ان کے مطابق ہجرت سے ایک سال قبل یعنی سن بارہ نبوی میں یہ سفرِ معراج پیش آیا۔ اس سفر کے دو حصے ہیں' اور قرآن مجید نے ان دونوں کو الگ الگ بیان فرمایا ہے۔ ایک حصہ زمینی تھا' مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک' جس کا تذکرہ سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات میں ہے۔ اور دوسرا حصہ آسمانی تھا' مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ اس کا ذکر سورۃ النجم میں ہے۔ آج اسی موضوع پر گفتگو کرنی ہے' یعنی اس حوالے سے جو راہنمائی قرآن میں ملتی ہے اور جو ہماری دینی تعلیمات اور اسلامی روایات ہیں ان کے حوالے سے ہمارا کیا طرزِ عمل ہونا چاہیے۔

ایک بات اصولاً سمجھ لیجیے کہ آنحضور ﷺ کو یہ جو تجربہ کرایا گیا' اللہ تعالیٰ کی یہ مستقل سنت ہے۔ یعنی انبیاء اور رسولوں کو خصوصی مشاہدات اور تجربات کرائے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ؑ کے ذکر میں سورۃ الانعام میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۝﴾ (الانعام) "اسی طرح ہم ابراہیم ؑ کو دکھاتے رہے آسمانوں اور زمین کی حکومت' تاکہ وہ ہو جائیں پوری طرح یقین کرنے والے"۔ کل غیب کا علم تو صرف اللہ کو ہے' عالمُ الغیبِ والشھادۃ تو وہی ایک ذات ہے' لیکن جزوی طور پر غیب کے پردے ہٹائے جاتے ہیں رسولوں اور نبیوں کے لیے' ہاں' کسی کے لیے کم کسی کے لیے زیادہ۔ جو تجربہ حضور ﷺ کو سفرِ معراج میں کرایا گیا اس کی بابت اگر یہ کہا جائے کہ تمام نبیوں اور رسولوں کو جو تجربات کرائے گئے یہ ان سب تجربات کی معراج تھا' تو غلط نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ کو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ رودررُو ہم کلامی کا موقع ملا ہے' رویتِ باری تعالیٰ ہوئی ہے یا نہیں' اس پر تو اختلاف ہے۔ بیشتر صحابہ ؓ کی رائے ہے کہ مشاہدۂ ذاتِ باری تعالیٰ بھی ہوا۔

معراج کے زمینی حصہ سے متعلق سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ "پاک ہے وہ ذات (اللہ تعالیٰ) جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک"۔ ﴿الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ "(وہ مسجد اقصیٰ) جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا"۔ ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ "تاکہ ہم اسے (اپنے بندے کو) اپنی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں"۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۝﴾ "یقیناً وہ سب کچھ سننے والا' دیکھنے والا ہے"۔

مسجد حرام سے مراد بیت اللہ ہے' اور مسجد اقصیٰ کا لفظی ترجمہ ہوگا "وہ مسجد جو دور واقع ہے"۔ بعد میں جو الفاظ آئے ہیں ان میں معین کر دیا گیا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ ﴿الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ﴾ (جس کے ماحول کو ہم نے بہت بابرکت بنایا) کے الفاظ سے تعیین ہو جاتی ہے کہ اس سے مراد وہ مسجد ہے جو ارضِ فلسطین میں واقع ہے' یعنی بیت المقدس۔ احادیث بھی واضح کرتی ہیں کہ یہاں مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہ آپ ﷺ کے سفرِ معراج کا زمینی حصہ ہے۔

بیت المقدس سے آپ ﷺ کا آسمانی سفر شروع ہوا' جس میں جبرئیل امین آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آسمانی سفر کا ذکر سورۃ النجم میں ہے کہ جب آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ ﷺ نے وہاں کیا دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ گویا آخری حد ہے۔ یہ بیری کا درخت ہے۔ اس کی کیا شان ہے' اس کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى۝﴾ "جب کہ بیری کو ڈھانپے ہوئے تھا جو کچھ ڈھانپے ہوئے تھا"۔ اس پر ذاتِ باری تعالیٰ کی کیا تجلیات تھیں ان کا ہم ادراک نہیں کر سکتے۔ ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۝﴾ "(محمد رسول اللہ ﷺ نے ان تجلیات کا مشاہدہ کیا اس شان کے ساتھ کہ) نہ تو نگاہ کج ہوئی اور نہ ہی اس نے (حدِ ادب سے) تجاوز کیا"۔ یعنی ان مشاہدات کے حوالے سے نگاہیں خیرہ نہیں ہو گئیں کہ دیکھ ہی نہیں پائیں' پورے ٹھہراؤ کے ساتھ' جماؤ کے ساتھ آنحضور ﷺ نے اپنے ربّ کی عظیم آیات کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى۝﴾ (النجم) "آپ ﷺ نے دیکھیں اپنے رب کی بہت بڑی بڑی نشانیاں"۔ کیا تجلیات تھیں جن کا مشاہدہ ہوا' الفاظ ان کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ لیکن مشاہدہ اس شان سے ہوا کہ نگاہ کج بھی نہیں ہوئی' بھرپور مشاہدہ بھی ہوا' اور حد سے تجاوز بھی نہ ہوا۔ بہرکیف یہ ہے قرآن مجید میں معراج کا تذکرہ۔ اس سفر کی تفصیل احادیث میں ملتی ہے۔ واقعۂ معراج جہاں عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار ہے وہیں اس سے عظمتِ انسانی کا بھی سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ اقبال کہتے ہیں ؎

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ ﷺ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں!

اس سفرِ معراج کے حوالے سے ایک اہم نکتہ یا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آسمان پر عظیم مشاہدات کرائے' ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی اور سدرۃ المنتہیٰ یا عرش کے قریب پہنچا دیا۔ لیکن اس سے پہلے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جانے کی کیا حکمت تھی؟ معراج میں اس زمینی سفر کی significance کیا ہے؟ یہ ایک بہت اہم سوال ہے اور اس کا تعلق آج کے اس ہاٹ ایشو سے ہے جس پر بحث چل رہی ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ کیا ارضِ فلسطین پر اصل حق یہودیوں کا ہے؟ قرآن مجید کی بعض آیات میں تذکرہ ہے کہ یہود کو ارضِ فلسطین عطا کی گئی تھی' لیکن آج ان کا دعویٰ کہاں تک درست ہے اور پوری حقیقت کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں واقعہ معراج کو بڑی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ حضور ﷺ کو آسمانوں پر لے جانے سے قبل مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جو سفر کرایا گیا اور جیسے کہ صحیح احادیث

میں ہے کہ بیت المقدس تمام نبیوں اور رسولوں نے آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی' ان تمام واقعات کی symbolic significance کیا ہے؟ اگر اس کا تعین ہو جائے تو مسئلہ بڑی آسانی سے صحیح رخ پر حل ہو سکتا ہے۔ علماء اور مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ اصل میں اس بات کا اظہار تھا کہ بیت اللہ کے ساتھ بیت المقدس کی تولیت بھی محمد رسول اللہ ﷺ کو عطا کر دی گئی ہے۔ اصل قبلۂ اوّل تو بیت اللہ ہے: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا.....﴾ (آل عمران:96) خانہ کعبہ سب سے پہلے تعمیر ہوا تھا۔ اس کی ایک تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی' لیکن بعض روایات کے مطابق اسے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کی بنیادوں کو دوبارہ اٹھایا تھا۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں الفاظ ہیں: ﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ﴾ (127) ''جب بنیادوں سے اس عمارت کو اٹھا رہے تھے ابراہیمؑ اور (ان کے بیٹے) اسماعیلؑ''۔ بہرکیف حاصل یہ ہے کہ قبلۂ اوّل بیت اللہ کی تولیت تو آنحضور ﷺ کی تھی ہی' لیکن اس کے ساتھ دوسرا قبلہ جو ایک طویل عرصے تک بنی اسرائیل کا قبلہ رہا' اور وہ علاقہ جو مدفن ہے بہت سے انبیاء اور رسولوں کا' اس کی تولیت بھی آنحضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کی امت کو عطا کر دی گئی۔ اس سفر کی اصل معنویت یہ ہے۔ چنانچہ اب قیامت تک صرف بیت اللہ ہی نہیں بلکہ انبیاء و رسل کی تاریخ میں اگر کوئی اور قبلہ بھی رہا ہے تو وہ بھی اب آنحضور ﷺ کو عطا ہوا ہے اور قیامت تک انہی کی اُمت کی تولیت میں رہے گا۔ یہ ہے اصل میں اس سفر کی معنویت۔

ویسے بھی آنحضور ﷺ کا جو مقصد بعثت ہے' قرآن مجید میں جس کا ذکر تین مرتبہ ہے' اس کے حوالے سے بھی یہ اس کا منطقی تقاضا تھا۔ ﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ﴾ ''وہی ہے (اللہ تعالیٰ) جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے ''الہدیٰ'' اور دین حق دے کر تا کہ وہ (رسول) اس دین کو غالب کر دے تمام ادیان پر''۔ چنانچہ قیامت تک اب تمام ادیان کے ماننے والے تابع ہیں دین محمد ﷺ کے' اور اسی کا مظہر یہ تھا کہ بیت اللہ کے ساتھ ساتھ بیت المقدس بھی آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کی تولیت میں دے دیا گیا۔ اب بنی اسرائیل کے لیے کیا راستہ ہے اور ان کا اس پر کیا حق ہے' یہ بات ذرا آگے چل کر بیان ہو گی۔ سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع کے آخری حصے میں اس کی طرف بھی اشارہ موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ اسرائیل کا تسلیم کرنا کیا دینی اعتبار سے درست ہے اور قرآن و سنت کی تعلیمات میں اس حوالے سے ہمارے لیے رہنمائی موجود ہے یا نہیں؟ اس کے لیے بطور تمہید سب سے پہلے یہ بات سمجھ لیں کہ بنی اسرائیل کا ذکر قرآن مجید میں کس کس پہلو سے آیا ہے۔ ایک سے زیادہ جگہوں پر قرآن نے واضح کیا کہ اللہ نے انہیں تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی ﴿وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ یعنی ''اور بے شک میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی''۔ اس فضیلت کی بنیاد کیا ہے؟ وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام امام الناس ہیں۔ آپؑ کے بعد طے کر دیا گیا تھا کہ قیامت تک نبوت اور رسالت کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی نسل میں ہو گا۔ یہ بات قرآن مجید میں دو جگہوں پر آئی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چودہ سو سال بنی اسرائیل کی بحیثیت امت جو تاریخ ہے اس پورے عرصے میں نبوت اور رسالت صرف انہی کی نسل میں رہی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ آپؑ کے بعد ڈھائی ہزار سال تک اس نسل میں کوئی نبی یا رسول نہیں آیا۔ اس نسل میں صرف نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائے۔ جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام سے جو نسل آگے چلی ہے اس میں بے شمار انبیاء ہوئے ہیں۔ حضرت اسحاق علیہ السلام خود بھی نبی ہیں' ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام بھی نبی ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ بھی اللہ کے نبی ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے آگے جو نسل چلی ہے ان کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔

دیکھئے' بنی اسرائیل نبوت و رسالت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیسے جڑے ہوئے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں اور ان کے بارہ بیٹے ہیں' جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی۔ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب ہے۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے ''اللہ کا بندہ'' حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چودہ سو برس اس خاندان کی تاریخ میں ایسے ہیں کہ نبوت اور رسالت صرف ان کے ہاں تھی اور اس شان کے ساتھ تھی کہ ہر لمحے کوئی نہ کوئی نبی موجود رہا ہے۔ چودہ سو سال میں کوئی لمحہ ایسا نہیں آیا کہ کوئی نبی یا رسول موجود نہ ہو۔ کتنی بڑی فضیلت ہے! اور ایک نہیں تین کتابیں ان کو دی گئی ہیں: تورات' زبور اور انجیل۔ شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ انجیل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کون ہیں؟ بنی اسرائیل کے خاندان سے ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام بنی اسرائیلی تھیں۔ قرآن نے معین کر دیا کہ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ ان کا کوئی نسبی سلسلہ جڑتا ہے تو انہی سے جڑتا ہے۔ انجیل بھی درحقیقت اسی شاخ کو ملی ہے۔

یہ بنی اسرائیل کی خاص فضیلت ہے جس کا قرآن مجید نے کم سے کم تین مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ اس اعتبار سے بنی اسرائیل اس زمین پر اللہ کی نمائندہ امت تھے۔ لیکن ساتھ ہی قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ اسی عرصے میں بار بار ان پر اللہ کے عذاب کے کوڑے برستے رہے ہیں۔ جب انہوں نے شریعت سے بے وفائی کی' دین سے غداری کی' اللہ کی کتاب سے ناطہ توڑ لیا تو ان پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھی آئے اور عذاب کے بڑے بڑے کوڑے بھی برسے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے جو دو بڑے کوڑے برسے انہی کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں آ رہا ہے۔ دونوں مواقع پر یہ ہوا کہ بیت المقدس ان کے ہاتھ سے نہ صرف چھن گیا بلکہ دشمنوں سے اس کو مسمار کر دیا اور اس کی بنیادیں تک کھود ڈالیں۔ یہ سلوک بیت المقدس کے ساتھ دو مرتبہ ہوا۔ اصل میں یہ عذاب بنی اسرائیل پر تھا۔ یہ بے حرمتی اصل میں بیت المقدس کی نہیں تھی' بلکہ ان کی تھی جنہوں نے دین کو چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ بھی واضح کر دیا: ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ط .....﴾ (الاعراف:167) ''اور جب تیرے ربّ نے اس بات کا اعلان کر دیا کہ قیامت تک وہ ان پر وقفے وقفے سے ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو انہیں بدترین عذاب کا مزا چکھاتے رہیں گے''۔ اندازہ کریں' یہ فیصلہ ان کے بارے میں ہے جنہیں کہا گیا کہ ﴿وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ اپنی زبان میں جنہیں ہم کہیں گے کہ وہ سب کے سب سید زادے تھے۔ لیکن اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ یہ تو اُمت کا بحیثیت مجموعی حال تھا۔ افراد کے بارے میں بھی قرآن جا بجا کہتا ہے: ﴿مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَکْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (آل عمران) ''ان میں مومن بھی تھے لیکن ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل تھی''۔ عہد نبویؐ میں مدینہ میں یہود کے تین قبائل موجود تھے' لیکن ایمان لانے کی توفیق گنتی کے چند افراد کو ہوئی۔ ان میں بھی ایک ہی نام نمایاں ہے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا' جو یہودیوں کے عالم تھے۔

ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں کو بنی اسرائیل سے بڑی توقعات تھیں۔ مسلمانوں کا خیال یہ تھا کہ مشرکوں کو تو بات سمجھنے میں وقت لگتا ہے' اس لیے کہ یہ شرک کے اندر ملوث ہیں' یہ آخرت کو نہیں مانتے' یہ رسولوں کو نہیں مانتے' لیکن مدینہ میں جو اہل کتاب' بنی اسرائیل آباد ہیں وہ تو لپک کر اسلام قبول کریں گے۔ اس لیے کہ وہ پہلے سے توحید کو ماننے والے' رسولوں کو ماننے والے ہیں۔ وہ جن رسولوں کو مانتے ہیں انہی کا ذکر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کر

رہے ہیں' جو وحی اتر رہی ہے اس میں انہی کا تذکرہ ہے۔ آخرت کو وہ مانتے ہیں' تو ان کے لیے تو کوئی رکاوٹ ہی نہیں ہوگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا۔ فرمایا: ﴿اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ﴾ ''کیا تم اس بات کی بڑی طمع اور خواہش رکھتے ہو کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے (اور یہ بھی ایمان لے آئیں گے جیسے تم محمد ﷺ پر ایمان لے آئے ہو)'' ﴿وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ) ''اور ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام' پھر بدل ڈالتے تھے اُس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے''۔ یہ تو ایسے ڈھیٹ لوگ ہیں کہ مانتے تو ہیں آخرت کو بھی اور رسول کو بھی اور اللہ کو بھی' لیکن جس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اس کتاب کے اندر صرف دنیا کے لالچ میں جان بوجھ کر تحریف کرتے ہیں۔ یہ مفاد پرست لوگ ہیں' یہ تعصبات کا شکار ہیں۔ قرآن نے واضح کر دیا کہ تمہارے ساتھ ان کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ انہیں تم سے حسد ہے۔ تکبر ان کے اندر پہلے سے تھا۔ وہ کہتے ہیں: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ﴾ (المائدہ:18) ''ہم تو اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں اور اس کے بڑے چہیتے ہیں۔'' اگر چودہ سو سال نبوت اور رسالت ہماری ہی نسل میں رہی ہے تو ظاہر بات ہے کہ ہمارے اندر کوئی خاص خوبی ہے' تبھی اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ فضل ہوا' لہٰذا ہم باقی لوگوں سے برتر ہیں۔ یہ تکبر پہلے سے تھا اور حسد یوں بن گیا کہ تم سے پہلے دنیا کی امامت کا منصب انہیں حاصل تھا' اب اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کی بعثت کے بعد انہیں اس مقام سے معزول کر کے وہ مقام اور منصب تمہیں عطا کر دیا۔ تمہارا اور بنی اسرائیل کا معنوی اعتبار سے بالکل وہی رشتہ ہے جو آدمؑ اور ابلیس کا تھا۔ حسد اور تکبر ان کا مرض ہے۔ یہی ابلیس کا معاملہ تھا۔ چنانچہ قرآن نے صاف کہہ دیا: ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا﴾ (المائدہ: 82) ''(اے اہل ایمان!) تم مسلمان دشمنی میں سب سے زیادہ سخت پاؤ گے یہود کو'' تم تو سمجھتے ہو یہ لپک کر ایمان لائیں گے لیکن یہ تمہارے بدترین دشمن ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں نصاریٰ کا معاملہ مختلف تھا۔ وہ مسلمانوں کے حوالے سے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ جبکہ تاریخ کا ایک بڑا حصہ ایسا بھی گزرا ہے جس میں یہود اور نصاریٰ کے درمیان انتہائی سخت مخالفت اور شدید جنگیں رہی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ.....﴾ (مائدہ:15) ''اے اہل ایمان' یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بنانا''۔ اس لئے کہ ﴿بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ﴾ ''یہ (تمہارے نہیں) باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں''۔

حالانکہ جس وقت یہ آیات نازل ہوئی تھیں یہ ایک دوسرے کے دشمن تھے' لیکن انہیں باہم دوست قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام دشمنی میں یہود و نصاریٰ ایک ہو جاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ دراصل پیشین گوئی تھی کہ اس وقت تمہیں نظر آ رہا ہے کہ ان میں بڑی دشمنی ہے لیکن دشمنی کے باوجود ایک وقت آئے گا جب دونوں اکٹھے ہو جائیں گے۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ کی یہ آیت اصل میں موجودہ حالات کے لیے ہے۔ آج یہ واقعی یکجان دو قالب ہو چکے ہیں۔

اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل ہمیشہ سازشی کردار ادا کرتے رہے۔ دورِ نبویؐ میں یہ گہری سازشیں کرتے رہے۔ آنحضور ﷺ اپنی خصوصی فہم و فراست سے ان کے منصوبوں کو ناکام بناتے رہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ تشریف لاتے ہی یہود کے تینوں قبائل کو ''میثاقِ مدینہ'' کی شکل میں جکڑ لیا۔ اب وہ ظاہراً تو مخالفت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن در پردہ انہوں نے سازشوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ اب جیسے ہی ان کی کوئی سازش بے نقاب ہوتی' حضور ﷺ اس میں ملوث یہودی قبیلے کو نکال دیتے تھے۔ اس طرح پہلے بنوقینقاع کو نکالا گیا پھر بنونضیر نکالے گئے۔

آخر میں بنوقریظہ رہ گئے تھے۔ سن 5 ہجری میں غزوۂ احزاب کے بعد ان کے خلاف بھی اقدام ہوا ہے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر عرب کی تمام طاقتیں مدینے پر حملہ کرنے کے لیے چڑھ کر آ گئی تھیں۔ یہودی میثاق مدینہ کے تحت پابند تھے کہ وہ دشمن کا ساتھ نہیں دیں گے' بلکہ جب بھی مدینہ پر حملہ ہوگا مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنوقریظہ نے مشرکین کے ساتھ گٹھ جوڑ کر لیا اور مار آستین بن کر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جسے اللہ تعالیٰ نے ناکام بنا دیا۔ اس تیسرے قبیلے کے خلاف حضور ﷺ نے سخت ترین ایکشن لیا۔ بنوقینقاع کو مدینہ سے نکالا گیا تو انہیں کہا گیا تھا کہ اپنا سامان بھی لے جاؤ اور وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ بنونضیر کو نکالا گیا لیکن وہ سارا سامان نہیں لے جا سکے۔ بنوقریظہ کی بدعہدی اتنی واضح اور نمایاں تھی اور ایسے وقت پر تھی کہ مسلمانوں کے لیے انتہائی مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ان کے جو بھی لڑنے کے قابل مرد تھے ان سب کو قتل کر دیا گیا' اور ان کا مال مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔

دورِ خلافت راشدہ میں یہودی سازشوں کا سلسلہ رہا۔ ان سازشوں کا نقطۂ عروج (Climax) عبداللہ بن سبا کی سازش کی شکل میں سامنے آیا۔ جس کے سبب مسلمانوں کی تاریخ میں ایک انتہائی تاریک اور سنگین باب کا اضافہ ہوا۔ جب ان سازشوں کی وجہ سے مسلمان آپس میں لڑے۔ جنگ جمل ہوئی' جنگ صفین ہوئی' اور وہ جو کیفیت تھی کہ ''رکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا'' باقی نہ رہی۔ اس کے بعد بھی پوری اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔

وطن عزیز کی تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ جب سے یہ ارضِ پاکستان اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اس کے خلاف پہلے دن سے یہود کی طرف سے سازشیں ہو رہی ہیں۔ امریکہ ان کا آلۂ کار بنا ہوا ہے۔ جب پاکستان کا پہلا دستور بننے لگا تو جمہوریت کی پٹڑی سے ملکی ٹرین کو اتار آگیا۔ امریکہ نے صدر ایوب کے ذریعے مارشل لاء نافذ کروا دیا۔ یہودی منظم منصوبہ بندی سے اب بھی اس مملکت خداداد پاکستان کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اسرائیل کی نظریاتی ریاست کے لئے کوئی ملک پریشانی کا موجب بن سکتا ہے تو وہ صرف پاکستان ہے' جو اسلام کے نام پر بنا ہے۔ چنانچہ اسرائیلی وزیر اعظم بن گوریان نے ایک موقع پر صاف کہہ دیا تھا کہ ہماری اصل دشمنی پاکستان کے ساتھ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس ملک کو نقصان پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ جبکہ ہماری اپنی نااہلی یہ ہے کہ ہم پاکستان بنا کر ذاتی مفادات کے حصول میں لگ گئے ہم نے اپنے دین سے غداری کی جس کی سزا کے طور پر ملک دولخت ہو گیا۔

اب آیئے! ذرا اسرائیل کے قیام اور اس کے پس منظر پر ایک نظر ڈال لیں۔ اسرائیل کا قیام خود ایک بہت بڑی سازش ہے۔ جب مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یروشلم کو فتح کیا اس وقت وہاں عیسائیوں کا قبضہ تھا۔ اس فتح کی تفصیل یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے یروشلم کا محاصرہ کیا تو عیسائیوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ہمارے ملک کو ایک درویش بادشاہ فتح کرے گا جس کی کچھ نشانیاں ہیں۔ جب تک وہ درویش بادشاہ نہیں آئے گا ہم اس شہر کے اندر محصور ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔ درویش بادشاہ کے اوصاف اور نشانیوں کے بارے میں جب انہوں نے بتایا تو مسلمانوں نے کہا یہ نشانیاں تو ہمارے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ دارالخلافہ سے انہیں یروشلم بلایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر کی چابیاں ان کے حوالے کر دیں لیکن انہوں نے ایک شرط رکھی کہ یہودیوں کو اس شہر میں داخلے کی اجازت نہیں دی جائے گی' جسے حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا۔ اس طرح عیسائیوں کے ساتھ اس معاہدہ کی صورت میں یروشلم فتح ہو گیا۔ یروشلم میں یہود کے داخلہ پر پابندی دراصل یہودیوں کے خلاف ﴿وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ

الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ کے خدائی فیصلہ کا ظہور تھا۔ اس وقت سے یہودیوں پر ارضِ مقدس ممنوع قرار دی گئی اور وہ ساری دنیا میں اب تک دشتِ نوردی کر رہے تھے۔

1917ء میں ہونے والے بالفور ڈیکلریشن کے ذریعے یہودیوں نے فلسطین میں آباد ہونے کا حق حاصل کیا۔ 1924ء میں گہری سازش کے تحت سلطنت عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اتاترک کے ذریعے خلافت عثمانی کا خاتمہ کروا دیا۔ اور 1948ء میں اسرائیل کے نام سے ارضِ فلسطین میں ایک ناجائز ریاست قائم کر دی۔ یہ دراصل فلسطین پر غاصبانہ قبضہ تھا۔ چنانچہ بانی پاکستان نے اسرائیل کے بارے میں کہا تھا کہ ''اسرائیل مغرب کی ناجائز اولاد ہے''۔ اقبال نے بھی مدلل انداز میں یہ بات کہی تھی۔

ہے خاک فلسطیں پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق کیوں نہیں اہل عرب کا

اگرچہ ایک وقت میں ضرور اللہ تعالیٰ نے انہیں ارضِ فلسطین عطا کی تھی لیکن پھر دین سے بے وفائی کی پاداش میں ان سے یہ سرزمین چھین لی اور مسلمانوں کو اس کی تولیت دے دی۔ ورنہ اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق تو فلسطین سے نہیں ہے آپؑ تو عراق سے تھے۔ ان حقائق کی روشنی میں فلسطین پر یہود کا کوئی حق نہیں بنتا۔ ارض فلسطین پر صرف ایک صورت میں ان کا حق بنتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ قرآن پر ایمان لائیں اور قرآن پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو تسلیم کریں۔ اگر یہود ایسا کر لیں تو وہ مسلمان ہیں اور دوسرے مسلمانوں کی طرح انہیں بھی حق ہے کہ وہ یہاں آ کر آباد ہو جائیں۔ حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ان کی دینی کتاب تورات کا بھی تقاضا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں ان سے عہد لیا تھا کہ جب بھی کوئی نبی تورات کی تصدیق کرتا ہوا آئے اس پر تم سب ایمان لے آنا۔ لیکن وہ تورات کی ہدایت کے برعکس ایمان نہیں لائے۔ جس کی سزا کے طور پر یروشلم میں ان کے داخلے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔

قیام اسرائیل کی صورت میں جس طرح انہوں نے فلسطین پر قبضہ کیا ہے وہ غاصبانہ اور ناجائز ہے۔ اس کا انہیں کوئی حق نہیں۔ وہ اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے۔ مگر انہوں نے ابلیسی قوتوں کی مدد سے ایسا کیا ہے۔ موجودہ حالات میں اگر حکومت پاکستان نے امریکی دباؤ پر اسرائیل کو تسلیم کر لیا تو یہ دینی تعلیمات، تاریخی حقائق اور عدل و انصاف کے اصولوں سے انحراف اور مسلمانانِ پاکستان کی خواہشات کو کچلنے کے مترادف ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق پر قائم رہنے اور اسے اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (مرتب: محبوب الحق عاجز)

جو ہزاروں سال پہلے مصر کے ایک میدان میں آلِ فرعون کے سامروں کا موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے میں ہوا تھا۔ اس کی وجہ بڑی ظاہر و باہر ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جو انسانوں کی دنیوی اور آخروی بھلائی اور فلاح چاہتا ہے۔ یہ انسانوں کے مابین عدل قائم کرتا ہے' انہیں برہمن اور شودر میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسلام کا پہلا سبق یہ ہے کہ تم سب آدم کی اولاد ہو' ہاں تم میں بہتری اور برتری کی بنیاد زہد اور تقویٰ ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اہمیت نیک اور پارسا لوگوں کو ملے گی تو سوائے خیر کے کچھ برآمد نہیں ہوگا اور یہ دنیا جنت کی نظیر بن جائے گی۔

پاکستان تقریباً 60 سال سے بھارت سے کشمیر حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے طویل مذاکرات ہوئے' سرحدی چھیڑ پیں ہوئیں' گوریلہ جنگ میں انتہائی قیمتیں جانیں نذر کی گئیں' دونوں ممالک کے مابین تین خونریز جنگیں ہوئیں' لیکن اس سب کچھ کے نتیجہ میں کشمیر حاصل کرنے کی بجائے ہمیں مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے دعوے کے مطابق پاکستان کو عدل وقسط کا گہوارہ نہ بنا سکے۔ کشمیریوں کے لیے جیسا سیکولر ملک بھارت ہے ویسا ہی پاکستان ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی یہی وجہ تھی کہ دونوں بازوؤں کو اتنا فاصلہ ہونے کے باوجود جوڑنے والی شے اسلام کے سوا اور کوئی نہ تھی جسے ''غیر متعلق'' کر دیا گیا۔ اب بھی بقایا پاکستان میں اسلام بحیثیت نظام نافذ نہ ہوا تو شدید اندیشہ ہے کہ سرحدیں غیر متعلق ہو جائیں اور منموہن سنگھ کی خواہش پوری ہو جائے۔

پریس ریلیز — 9 ستمبر 2005ء

یقین کی کمی تمام خرابیوں کی بنیاد ہے

حامل کتاب اُمتوں میں سب سے پہلی خرابی یہی پیدا ہوتی ہے کہ وہ آسمانی کتاب اور رسول کی اطاعت کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ آج یہی بے یقینی اکثر مسلمانوں کی زندگی میں سرایت کر گئی ہے۔ یہ بات ناظم دعوت تنظیم اسلامی چوہدری رحمت اللہ بٹر نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ آج کا مسلمان معیشت' معاشرت اور سیاست کی سطح پر غیروں کے دیے ہوئے نظام کو اس لیے سینے سے لگائے ہوئے ہے کہ اسے اللہ اور رسول ﷺ کے دیے ہوئے قانون' تہذیب اور معاشی و معاشرتی اصولوں میں دین و دنیا کی فلاح کا یقین نہیں رہا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ معیشت میں سود اور جوا' معاشرت میں بے پردگی اور بے حیائی جبکہ سیاست میں عوامی حاکمیت کو اختیار کر کے بھی ہم اسلام کے دعوے پر قائم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ کا زمانہ' رسالت قیامت تک کے لیے ہے اور آپؐ تمام نبی نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ لہٰذا آج بھی آپؐ ہی کے طرز زندگی کو اختیار کرنے سے آپؐ کی رسالت پر ایمان کا تقاضا پورا ہوگا اور یہی اللہ کی خوشنودی کا بھی ذریعہ ہے کیونکہ اللہ کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی پاکستان)

ہم کیا سیکھنا چاہتے ہیں؟

جاوید چودھری

ندائے خلافت کے زیر نظر شمارے سے ''کالم آف دی ویک'' کے عنوان سے ایک نئے سلسلہ کا آغاز کیا جارہا ہے۔ یعنی معاصر اخبارات وجرائد سے کسی ایسے فکر انگیز کالم کا انتخاب جو ہماری نظر میں ممتاز بھی ہو اور ذہن وفکر کے دریچوں کو کھولنے والا بھی۔ امید ہے یہ سلسلہ قارئین کی دلچسپی کا موجب ہوگا۔ (مدیر)

کسی یہودی کا بچہ بلند جگہ پر کھڑا تھا، باپ نیچے کھڑا ہوگیا اور اس سے کہنے لگا ''بیٹا نیچے چھلانگ لگادو'' بچے نے جواب دیا ''نہیں ابا میں گر جاؤں گا'' باپ نے بچے کو یقین دلایا ''تم چھلانگ لگادو، میں تمہیں کیچ کرلوں گا'' اس کے بعد دونوں کے درمیان بحث شروع ہوگئی، بیٹا چھلانگ لگانے سے انکار کرتا جبکہ باپ اصرار کرتا، طویل بحث و مباحثے کے بعد بیٹا چھلانگ لگانے پر رضامند ہوگیا، باپ نے بازو پھیلا کر کھڑا ہوگیا، بیٹے نے چھلانگ لگادی لیکن جوں ہی وہ باپ کے نزدیک پہنچا باپ نے بازو تہہ کرلیے، بیٹا باپ کے قدموں میں گر گیا، اسے شدید چوٹیں آئیں، باپ نے اسے چیختے چلاتے اور روتے ہوئے دیکھا تو بے تاب ہوکر اس کے ساتھ بیٹھ گیا، بیٹے نے شکوہ کیا ''ابا تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا'' باپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور گلوگیر آواز میں بولا ''بیٹا میں تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا زندگی میں کبھی کسی پر یقین نہ کرو خواہ وہ تمہارا باپ ہی کیوں نہ ہو'' یہ یہودی فلاسفی ہے، یہودی دنیا میں اعتماد، یقین، لین دین وعدے وعید اور پیسے روپے کے معاملے میں بدترین قوم ہیں۔ چاروں آسمانی کتابیں متفق ہیں یہودی وعدے کے کمزور ہوتے ہیں، بات کرکے مکر جانا ان لوگوں کا شیوہ ہوتا ہے اور پانچ ہزار سال کی تاریخ بتاتی ہے۔ یہ لوگ جس جگہ رہتے ہیں اس جگہ کا امن، سکون اور اطمینان غارت ہوجاتا ہے وہ جگہ ''دارالحرب'' بن جاتی ہے، اس جگہ جنگیں اور لڑائیاں ہوتی ہیں یہ ان لوگوں کی ذات کے وہ سیاہ دھبے ہیں جنہیں شاید اب دنیا کی کوئی طاقت نہیں دھوسکتی، یہ لوگ کرپٹ بھی ہوتے ہیں، میں نے پچھلے دنوں اسرائیل کے ایک اخبار ''بزنس ڈیٹا اسرائیل'' میں عالمی بنک کے بعض اعداد وشمار دیکھے تھے ان اعداد وشمار میں انکشاف ہوا اسرائیل کا شمار اس وقت کے کرپٹ ترین ممالک میں ہوتا ہے لیکن یہ ساری باتیں، یہ سارے حقائق یہودیوں کی ذات کے ''بلیک سپاٹ'' ہیں یہ کالے دھبے ہیں لیکن ان دھبوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں میں کچھ ایسی خوبیاں بھی ہیں جو اس وقت دنیا کی کسی دوسری قوم میں نہیں، یہودیوں نے اپنے اندر یہ خوبیاں ہزاروں تجربات کے بعد پیدا کیں۔ صدیوں کی شکستوں اور نقل مکانیوں نے انہیں یہ چیزیں سکھائیں، ان کی پہلی خوبی کاروبار ہے یہ لوگ نوکری نہیں کرتے، کاروبار کرتے ہیں، قدرت نے انہیں بے تحاشا ''بزنس سینس'' دے رکھی ہے، کہا جاتا ہے ایک یہودی اگر صحرا میں بھی دکان کھول لے تو چند دنوں میں وہاں پورا بازار آباد ہوجاتا ہے، اس طرح اگر یہودی کسی بازار سے نقل مکانی شروع کردیں تو وہ بازار اجڑ جاتا ہے ان لوگوں نے دنیا میں بے شمار بزنس انسٹی ٹیوٹ قائم کیے، سٹاک ایکسچینج، انشورنس، بینک، انوسٹمنٹ کارپوریشنز، ملٹی نیشنل کمپنیاں، بزنس سکولز اور فرنچائز کا تصور یہ سب یہودیوں کی ایجادات ہیں، اشتہارات کی صنعت کا 93 فیصد حصہ یہودیوں کے زیر اثر ہے، دنیا میں سونے اور ہیروں کا سارا کاروبار ان کے پاس ہے، دنیا کی ایک ہزار ملٹی نیشنل کمپنیوں میں سے 821 کمپنیاں یہودیوں کی ہیں، دنیا کا 74 فیصد میڈیا یہودیوں کے پاس ہے، امریکہ کے تمام بڑے اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کمپنیاں یہودیوں کے قبضے میں ہیں اور ہالی وڈ کا سارا کاروبار یہودیوں کی ''چیک بکس'' میں سما چکا ہے، ہم دنیا کے کسی کونے میں ایک ڈالر کا سودا کریں اس سودے کا فائدہ کسی نہ کسی چینل سے ہوتا ہوا کسی یہودی تک پہنچے گا، ان لوگوں کی دوسری خوبی تعلیم ہے دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ پی ایچ ڈی یہودیوں کے پاس ہیں اسرائیل میں صرف اس شخص کو پڑھا لکھا سمجھا اور کہا جاتا ہے جس کے پاس پی ایچ ڈی کی ڈگری ہو، ان لوگوں نے سائنس میں کمال کردیا، دنیا کی تمام بڑی ایجادات میں یہودیوں کا حصہ 80 فیصد سے زیادہ ہے، دنیا کی تمام زندگی بچانے والی ادویات ان لوگوں نے ایجاد کی ہیں، ہم لوگ دل، دماغ اور گردوں کی جو جو ادویات استعمال کرتے ہیں یہ سب ان کی مہربانی ہے، ہم اپنے بچوں کو پیدائش کے بعد جو حفاظتی ٹیکے لگواتے ہیں یہ بھی ان لوگوں کی ایجاد ہیں، سرنجیں اور گولیوں کی پیکنگ تک ان لوگوں نے ایجاد کی تھی، اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ نوبل پرائز ان لوگوں کے پاس ہیں، یہودیوں نے آج تک 161 نوبل پرائز لیے ان 161 یہودیوں میں 150 سائنس دان تھے جبکہ ان کے مقابلے میں پورے عالم اسلام کے پاس صرف چار نوبل انعام یافتہ لوگ ہیں ان کی تیسری خوبی ان کا اتحاد ہے میں نے بیجیم میں ایک عجیب منظر دیکھا، دو یہودی دکاندار آپس میں لڑ رہے تھے وہ لڑتے لڑتے تھک گئے تو اپنی اپنی دکانوں میں چلے گئے اتنے میں ایک دکاندار کے پاس گاہک آیا اور اس نے کوئی چیز طلب کی، اس کے پاس وہ چیز نہیں تھی، اس نے گاہک کا ہاتھ پکڑا اور اسے اس یہودی کی دکان پر لے گیا جس کے ساتھ چند لمحے پہلے اس کی جنگ ہورہی تھی، اس نے گاہک کے ساتھ اس کا تعارف کرایا اور پھر مسکرا کر بولا ڈیوڈ مسٹر فلپ کو فلاں چیز چاہئے، مجھے معلوم ہے یہ چیز تمہارے سٹاک میں موجود ہے پلیز ان کے ساتھ ڈیل کرلو، دوسرے دکاندار نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور تھینک یو کہہ کر گاہک کی طرف متوجہ ہوگیا، یہ ان لوگوں کا مجموعی رویہ ہے، یہ بزنس میں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں، ایک یہودی کسی بزنس ڈیل کے لیے دنیا کے کسی کونے میں جاتا ہے تو وہاں پہنچتے ہی وہ مقامی یہودی تلاش کرے گا اور اس کے بعد اس کی کوشش ہوگی وہ جو بھی ڈیل کرے اس میں مقامی یہودی کا شیئر ضرور شامل ہو، یہ لوگ بلا کے مستقل مزاج اور ارادے کے پکے ہوتے ہیں اس وقت اسرائیل دنیا کا خطرناک ترین علاقہ سمجھا جاتا ہے، اسرائیل میں جب بھی کوئی یہودی گھر سے نکلتا ہے تو وہ اپنے گھر والوں کو وصیت کرکے جاتا ہے لیکن اس خوف کے باوجود آج تک کسی یہودی نے اسرائیل نہیں چھوڑا۔ پچھلے 30 برسوں سے دنیا جہاں سے یہودی اسرائیل پہنچ رہے ہیں حد یہ ہے امریکہ میں رہنے والے یہودیوں تک نے اسرائیل میں اپنے گھر اور دفتر بنا رکھے ہیں۔ ہم ان یہودیوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں، مجھے معلوم نہیں اس دوستی کے کیا محرکات ہیں اور ہم اس بھائی چارے سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن میں اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں ہمارے وزیر خارجہ نے استنبول میں جس اسرائیلی وزیر خارجہ سے ملاقات کی تھی وہ وزیر خارجہ تل ابیب میں دو کمرے کے فلیٹ میں رہتا ہے اور وہ روزانہ بس پر دفتر جاتا ہے اگر ہم اس دوستی سے یہ سیکھنا چاہتے ہیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں بصورت دیگر یہ بھائی چارہ ہمارے ہاتھ اور منہ دونوں کالے کردے گا۔

(بشکریہ: روزنامہ جنگ 10 ستمبر 2005)

''اخوان'' کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز

سید قاسم محمود

اس طرح ''اخوان المسلمون'' ایک مستقل نام بن گیا۔ وہ چھ افراد جنہوں نے مارچ 1982ء میں حسن البنا کے مکان پر ''اخوان'' کی تشکیل کی تھی' وہ اسلامی طرزِ فکر اور طریقۂ حیات کے حامی و حامل تھے۔ حسن البنا اس کے بعد مسلسل ''اخوان'' کی دعوت دیتے رہے۔ وہ اپنی دعوت میں کسی قسم کے اعلان اور پروپیگنڈے کے بغیر' خاموشی مگر مستقل مزاجی کے ساتھ مشغول رہے۔ اس طرح انہوں نے کافی لوگوں کا اعتماد حاصل کر لیا۔ اُن کے گہرے خلوص اور تحریک کے مقاصد سے محبت کی بدولت دعوت تیزی سے پھیلنے لگی۔ کامیابی اُن کو پیہم کوشش کے لیے ابھارتی رہی۔ تحریک سے گہری وابستگی اور گرم جوشی اُن کے دائرہ عمل کو وسیع تر کرنے اور پوری زندگی اس پر وقف کر دینے کے لیے آمادہ کرتی رہی۔ چنانچہ انہوں نے کوئی قصبہ اور گاؤں نہ چھوڑا۔ ہر جگہ گئے' قیام کیا۔ وہاں کے لوگوں سے مساجد میں' گھروں میں ملے' لیکن مسجد بہر حال اُن کی مرکزی قیام گاہ رہی' کیونکہ مسجد ہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں نمازی' مدرّس اور واعظ پر کوئی معترض نہ ہو سکتا تھا۔

حسن البنا کا طریقِ دعوت

اُن کے دعوتی سفر ہفتہ وار اور سالانہ گرمیوں کی تعطیلات میں ہُوا کرتے تھے۔ ہفتہ وار تعطیل میں قریب کے شہر' اور دوسری بڑی چھٹیوں میں دُور کے شہر۔ بیرونی دعوتی سرگرمیوں کی مدت میں وہ اپنے سرکاری سکول میں پابندی کے ساتھ تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ انہوں نے کبھی کسی بیماری یا ناگہانی ضرورت کا بہانہ نہیں کیا۔ سکول کی جبری اور سرکاری مصروفیت نے اُن میں پختگی اور خاموش عمل کی عادت پیدا کر دی۔ بے تکلف فطری سادگی اور انکسار کے ساتھ ساتھ تدریس کی پابندی نے اُن کو حاسدوں (جن کی تعداد بہت زیادہ تھی) حسد و کینہ پروری سے محفوظ رکھا' جن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ اُن کے سوا کسی دوسرے کی آواز بلند نہ ہو۔

حسن البنا کی دعوت پر لبیک کہنے والے اوّل اوّل زیادہ تر مزدور پیشہ لوگ تھے۔ مزدور حلقوں میں دعوت کی کامیابی میں اُن کی عوام پسندی اور سادہ طبیعت کو بہت دخل تھا' کیونکہ وہ ہر گروہ کو اُس کے مزاج کے مطابق مناسب اسلوب میں خطاب کرتے تھے۔ بکثرت سفر اور میل جول' مختلف النوع گروہوں اور حلقوں سے تعلق رکھنے کے سبب ان کے اندر لوگوں کے میلانات کو سمجھنے اور مزاج شناسی کا ایک زبردست ملکہ پیدا ہو گیا تھا' اور غالباً یہ ایک اُصول انہوں نے ہمیشہ کے لیے اختیار کر لیا تھا۔ وہ اپنے رفقائے دعوت سے کہا کرتے تھے کہ:

> دو کُھردرے ہاتھوں والے ساتھی زیادہ سے زیادہ پیدا کرو''

یعنی محنت کشوں کو دوست بناؤ جو اپنے ہاتھوں کی کمائی سے رزقِ حلال کماتے ہوں۔ یہی مضبوط کلائیوں والے وہ لوگ ہیں جن سے سختی کے وقت بہترین مدد حاصل کی جا سکتی ہے۔ حسن البنا اسی طرح اپنی دعوت دُور دُور نزدیک' جہاں جہاں وہ پہنچ سکے' پہنچاتے رہے۔ دو سال بعد اُن کے سفروں کے نتیجے میں ابوصویر' پورٹ سعید اور الملاح کے بڑے شہروں میں اخوان کے شعبے قائم ہو گئے۔ تیسرے سال شہر سویز میں ایک اور شعبہ کھلا۔ چوتھے سال دس شعبے ہو گئے اسماعیلیہ ہی میں لڑکیوں کی اسلامی تربیت کا ایک مرکز کھل گیا۔ بعد ازاں ''الاخوات المسلمات'' کی صورت پیدا ہوئی (جس کی تفصیل آئندہ آئے گی)

تبادلہ برائے قاہرہ

''الاخوان المسلمون'' کی تاسیس کے پانچ سال بعد 1933ء میں حسن البنا کا تبادلہ قاہرہ میں کر دیا گیا۔ اُن کے اِس تبادلے سے دعوت ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی' مگر حسبِ سابق خاموشی اور گمنامی' مساجد میں قیام و خطاب' ساتھیوں کی تلاش' اور نئے نئے شعبوں (شاخوں) کا قیام' یہ سرگرمیاں خاموشی اور احتیاط کے ساتھ جاری رہیں۔

قاہرہ میں قیام کے ایک سال بعد 1934ء میں حسن البنا نے ایک مقالہ تحریر کیا' جس میں بیان کیا کہ ''اخوان'' کی تحریک مصر کے پچاس سے زائد شہروں میں پھیل چکی ہے اور تقریباً ہر شہر میں ''اخوان'' کے تحت کوئی نفع بخش سکیم یا کوئی مفید فلاحی ادارہ قائم کیا ہے۔ شہر اسماعیلیہ میں مسجد الاخوان اور ایک تربیت گاہ کام کر رہی ہے۔ لڑکوں کی تعلیم کے لیے ''مدرسہ حراء'' اور لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ''مدرسہ اُمہاتِ المؤمنین'' قائم ہیں۔ شہر اہمیت میں ایک مسجد تعمیر کی گئی ہے اور اس سے ملحق اسلامی تربیت گاہ ہے۔ شہر محمودیہ اور بحیرہ میں بھی ایک لڑکوں کا سکول اور ایک صنعت گاہ' جس میں وہ غریب و نادار لڑکے جو اپنی تعلیم پوری نہ کر سکے' صنعتی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اسی طرح مدرسہ حفظِ قرآن کے ساتھ ساتھ قالین بافی اور بُنائی کا ایک مرکز قائم ہے۔ دقہیلہ اور نزلہ میں بھی حفظ قرآن کا ایک مدرسہ کھولا گیا ہے۔ مصر کے انتہائی جنوب میں شہر اوفو سے لے کر انتہائے شمال میں شہر اسکندریہ تک ملک کے گوشے گوشے میں ''اخوان'' کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔

روزمرہ کا دستور العمل

حسن البنا کا روزمرہ کا یہ معمول تھا کہ صبح سویرے مرکز میں آ جاتے۔ یہاں ساتھیوں کے لیے کچھ تحریری ہدایات چھوڑ جاتے' جن میں فوری اور ضروری کاموں کے متعلق ہدایات ہوتیں' اس کے بعد سکول پڑھانے جاتے۔ اگر سفر کا پروگرام ہوتا تو سکول سے سیدھے ریلوے سٹیشن چلے جاتے' اگر سفر کا پروگرام نہ ہوتا تو سکول سے چھٹی کے بعد دوبارہ مرکز آتے۔ وہاں ملاقاتیں کرتے۔ ہدایات دیتے۔ جو کام باقی ہوتا' اُس کی تکمیل کرتے۔ پھر شب میں تیسری بار مرکز آتے' اور یہ وقت وفود آنے والوں سے' ملاقات یا کمیٹیوں میں شرکت یا پھر تقریر میں گزرتا اور یہ سب مصروفیات سالانہ تعطیلات میں ان کے دیہات کے دعوتی سفروں میں مانع نہ ہوتیں۔

جس شہر اور قصبے میں ''اخوان'' ضروری سمجھتے وہاں مرشد کو آنے کی دعوت دی جاتی۔ وہاں کے ریلوے سٹیشن پر استقبال کے لیے آنے والے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا۔ جائے قیام تک مداح لوگ جلوس کی شکل میں ہمراہ جاتے۔ جلسہ گاہ میں اُن کے خطاب کے لیے حسب ضرورت شامیانے نصب کیے جاتے۔ خطاب کے بعد اُن کا کام اسی پر ختم نہ ہو جاتا کہ تقریر کے بعد وہ اپنے گھر اور سامعین اپنے گھر' بلکہ مجمع میں سے جس کو بھی وہ ''خاص طور پر'' متوجہ دیکھتے' اُس کو اپنے ساتھ ملا لینا اُن کی خاص مہم تھی۔ چنانچہ خطاب کے بعد دیر تک جو لوگ چاہتے' اُن کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ اس موقع پر دعوت کی خاطر نتیجہ خیز گفتگو ہوتی' جس میں نوجوانوں کی بیداری سے متعلق اور مصر و اسلام کے مستقبل پر تبادلۂ خیال ہوتا۔ ملک کا جنوبی حصہ وہ شہر بہ شہر اور گاؤں در گاؤں بیس روز میں طے کر لیتے۔ کبھی کبھی ایسا

ہوتا کہ صبح انہوں نے بنی سویف میں کی' تو دوپہر بنہا میں' پھر شام واسطی میں اور رات فیوم میں گزاری ہے (یہ سب مصر کے مشہور قصبے ہیں) اس طرح ایک گھنٹہ یا گھنٹے سے کچھ کم سوتے' اور جیسے ہی تکیے پر سر رکھتے' سو جاتے۔ لوگ اُن کے آس پاس بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔

سیاست میں شرکت اور دعوت اسلام

اُسی زمانے میں ''الاخوان'' نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ حسن البنا نے ریڈیو اور عام عوامی اداروں میں دینی اور سیاسی تقریروں کا آغاز کیا۔ یکے بعد دیگرے آنے والے مصری وزرائے اعظم کے نام خطوط بھیجے۔ محمد محمود کے عہد سے لے کر دوسری جنگ عظیم کی ابتدا تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ان خطوط کا مرکزی نکتہ اسلامی نظام کی بنیاد پر داخلی اصلاحات کی دعوت تھی' لیکن ''الاخوان'' وزرائے اعظم کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرا سکے' کیونکہ اُن کی سیاسی کارکردگی پر دین کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اس وجہ سے حکومت اور حکومتی عہدہ داروں نے اُن پر کوئی توجہ نہ دی۔

1936ء میں حسن البنا نے سابق شاہ مصر فاروق' سابق وزیر اعظم مصطفیٰ نحاس' عرب ممالک کے فرماں رواؤں اور مختلف مسلم ممالک کے سربراہوں' معروف دینی اور سیاسی رہنماؤں کے نام ایک اہم خط ''نحوالنور'' کے نام سے بھیجا' جس میں اسلام' اُس کا نظام' اُس کے دستور' اُس کے تمدن و تہذیب کی طرف اُن کو دعوت دی اور مغربیت' مغربی طرزِ زیست اور مغربی معاشرت و تہذیب کو ترک کرنے کا مطالبہ کیا' اور اسلامی اور مغربی دونوں نظاموں کا موازنہ کر کے واضح کیا کہ ترقی کی راہ پر گامزن ایک قوم کی جو عسکری' دستوری' معاشرتی اور معاشی ضروریات ہو سکتی ہیں' اسلام اُن سب کی ضمانت دیتا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ''آپ لوگ سب سے پہلے اِس بیمار دنیا کو بچانے کے لیے طبِ قرآنی سے ماخوذ خوراک لے کر آگے بڑھیں''۔

اپنی اِس طویل تحریر میں' جو بعد ازاں ایک الگ مقالے کی صورت میں شائع ہوئی' انہوں نے زندگی کے تمام شعبوں میں مکمل اصلاح کے لیے پچاس دفعات پر مشتمل ایک لائحۂ عمل پیش کیا۔ اِس مقالے میں جو مطالبہ سب سے اہم تھا' وہ یہ تھا کہ فرقہ بندی کا خاتمہ کیا جائے اور اُمت کی سیاسی قوتوں سے ایک رُخ پر اور ایک صف بنا کر کام لیا جائے۔

تحریک اخوان کا تعارف

1938ء میں دعوت اپنے تمام عوامل و عناصر مکمل کر چکی تھی۔ اب وہ اپنے کامل قالب اور مکمل نظام کے ساتھ قوم کے سامنے آئی۔ اس موقع پر ''پانچویں کانفرنس'' سے خطاب کرتے ہوئے اپنے خطاب میں تحریک اخوان کا تعارف کراتے ہوئے کہا: ''یہ ایک جامع اور ہمہ گیر تحریک ہے' جس میں اصلاح کے تمام پہلو موجود ہیں۔ یہ سلفی دعوت ہے' کیونکہ اخوان کی دعوت ہے کہ قرآن و سنت رسول ﷺ کو مرکزِ نظر بنایا جائے۔ یہ سنی مذہب ہے' کیونکہ اخوان کی کوشش ہے کہ ہر شے میں سنتِ رسول ﷺ پر عمل کیا جائے یہ ایک صوفیانہ حقیقت ہے' کیونکہ اخوان سمجھتے ہیں کہ خیر و صلاح کی بنیاد پاکیزگیٔ نفس' صفائی قلب' اللہ کی محبت اور تعاون علی الخیر ہے۔ یہ ایک سیاسی جماعت ہے' کیونکہ اخوان حکومت کی داخلی و خارجی اصلاح اور باعزت خوددارانہ قومی تربیت و زندگی کے داعی ہیں۔ یہ ایک ورزشی جماعت ہے' کیونکہ یہ اپنے ورزشی گروپوں کے ذریعے جسمانی ورزش کا خاص اہتمام کرتی ہے۔ یہ ایک علمی و ثقافتی انجمن ہے' کیونکہ اخوانی تربیت گاہیں درحقیقت تعلیم و تہذیب کے مدرسے اور عقل و روح کی جلا و نمود کے مراکز ہیں۔ یہ ایک اقتصادی ادارہ ہے' کیونکہ اسلام مالی امور و معاملات پر خاص توجہ دیتا ہے۔ ''اخوان'' نے اپنی اسلامی طرز کی لینڈ کمپنیوں سے قومی اقتصادی حالت کو مضبوط تر بنانے میں بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ یہ ایک سماجی تحریک ہے' کیونکہ اخوان اسلامی معاشرے کے امراض پر خاص توجہ دیتے' اُس کے علاج پر غور و فکر کرتے اور اُمتِ مسلمہ کو سماجی امراض سے پاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

اخوان کی سیاسی سرگرمیاں

1939ء تا 1940ء کے درمیانی عرصے میں سیاسی جدوجہد میں ''اخوان'' ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ اس کی سیاسی سرگرمیوں میں نئی جان آئی اور دائرہ عمل میں نئی وسعت پیدا ہوئی۔ اخوان کی جدوجہد اب سہ چند ہو گئی۔ اب قاہرہ یونیورسٹی اور جامعہ الازہر کے نوجوان طلبہ کا ایک نیا گروہ شامل ہوا۔ مختلف کش اور پیشہ ور طبقوں کے لوگ بھی کافی تعداد میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ کارخانوں کے مزدور' تاجر' صنعت کار' انجینیئر' ڈاکٹر' مدرسین' وکلاء غرض اب ہر گروہ اور طبقے کے نمائندے شامل تھے۔ ''اخوان'' کی اقتصادی سرگرمیاں بھی تیز تر ہو گئیں۔ عسکری اور ورزشی شعبوں کی طرف بھی اُن کی توجہ زیادہ ہو گئی۔ پورے ملک میں پھیلی ہوئی اُن کی تمام شاخیں اب پوری طرح منظم ہو چکی تھیں اور وہ ایک ایسی طاقت بن گئے جو ہر لحاظ سے قابلِ لحاظ سمجھی جانے لگی۔

اخوان پر مصائب کا آغاز

دریں اثنا مصر کی حکومت یکے بعد دیگرے مندرجہ ذیل وزرائے اعظم سنبھالتے رہے:۔

علی ماہر۔ حسن صبری۔ حسین سری۔ مصطفیٰ نحاس۔ احمد ماہر۔ نقراشی۔ اسماعیل صدقی۔ نقراشی (دوسری بار)۔

علی ماہر اور حسن صبری کی وزارتوں کے دوران میں حسن البنا اپنے خاص رسائل' مضامین' اور خطابات میں برابر پند و نصائح' مشورے اور رہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے' وہ ہر وزیر اعظم کو جنگ کی آگ سے مصر کو دور رکھنے کا مشورہ دیتے رہے۔ دورانِ جنگ انہوں نے اپنی حکومت پر نہ کوئی دباؤ ڈالا' نہ کوئی مشورہ دیا۔

برطانوی سفیر اور فوجی کمانڈر کے دباؤ پر حسین سری کی وزارت کے زمانے میں ''اخوان'' پر مصائب کا آغاز ہُوا۔ چنانچہ اُن کے ہفتہ وار جریدے ''تعارف'' اور ''شعاع'' اور ماہنامہ ''المنار'' کی اشاعت سرکاری طور پر بند کر دی گئی۔ ان کی تحریروں' کتابچوں کی اشاعت و طباعت ممنوع قرار دی گئی۔ اُن کا پریس بند کر دیا گیا۔ اخبارات کو تنبیہ کر دی گئی کہ ''اخوان'' اور اُن کی کسی سرگرمی یا شخصیت کا کوئی ذکر نہ کیا جائے۔ اُن کی تقریبات اور اجتماعات کو روک دیا گیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا' بلکہ جماعت کے سرکردہ رہنماؤں کو دور دور شہروں میں ڈال دیا گیا۔ جماعت کے صدر حسن البنا کو دُور جنوب کے ایک شہر قنا اور نائب صدر کو شمال کے شہر دمیاط منتقل کر دیا گیا۔ بعد میں پارلیمنٹ کے مطالبے اور اصرار پر دونوں حضرات کو واپس لایا گیا۔ لیکن چند ماہ کے بعد حسن البنا کو گرفتار کیا گیا۔ اسی طرح اخوان کے جنرل سیکرٹری کو بھی۔ لیکن ''اخوان المسلمون'' کو اپنے صدر کی گرفتاری سے جو صدمہ پہنچا اور انقلاب کی سی ایک لہر بیدار ہوئی تو اُن کے خوف سے اِن دونوں کو جلد ہی رہا کر دیا گیا۔

اِس تاریک دور میں مصری حکومت کا یہ حال تھا کہ وہ برطانوی استعمار کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھیں۔ حکومت کو قوم کی آزادی اور حُرمت کا ذرا بھی پاس نہ تھا' کیونکہ وہ اپنے انگریز آقاؤں کو اِسی طرح خوش کر سکتے تھے۔ اپنے سامراجی آقا کو خوش کرنے کے لیے ہر مصری حکومت کو اس میں ذرا بھی باک نہ تھا کہ ایسی جماعتوں کو مٹانے کے درپے رہیں' جن کا مقصد دین و وطن کی خدمت ہے۔ مخلص کارکنوں کو شہر بدر کر دیں۔ اُن کو ایذا پہنچائیں۔ قید خانے اُن سے بھر دیں' اور اخبارات کو اُن کا نام تک لینے کی اجازت نہ ہو۔ اس سارے ظلم و ستم' دار و گیر اور قید و بند کا نتیجہ بالکل برعکس نکلا یعنی دبنے اور فنا ہونے کی بجائے ''تحریک اخوان'' عوام کا مرکزِ توجہ بن گئی' اور اِس جماعت کو نئے اور تازہ دم کارکن اور مددگار حاصل ہوئے۔ جب مصطفیٰ نحاس کی وزارت آئی تو حسن البنا نے اسماعیلیہ کے حلقۂ انتخاب سے پارلیمنٹ کے لیے کھڑا ہونا چاہا.....

(جاری ہے)

یادوں کی تسبیح

قاضی عبدالقادر

محترم قاضی عبدالقادر صاحب کی شخصیت، تنظیم اسلامی کے اُن سینئر رفقاء کے لیے ہرگز محتاجِ تعارف نہیں ہے جو 80ء کی دہائی سے اِس قافلۂ حق کے راہی ہیں۔ قاضی صاحب کا شمار تنظیم کے موسسین میں ہوتا ہے کہ مارچ 75ء میں شہر لاہور میں منعقد ہونے والے تاسیسی اجلاس میں شریک 75 ارکان میں ان کا نام بھی شامل تھا۔ چنانچہ انہیں تنظیم کے پہلے مرکزی ناظم بیت المال ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

بانی تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ کے ساتھ اُن کے شخصی تعارف اور دعوت رجوع الی القرآن کے کام میں ان کے ساتھ بھرپور تعاون کی تاریخ یقینی طور پر اس سے کہیں زیادہ پرانی ہے۔ اوائل عمری سے ہی تحریکی مزاج رکھنے والے قاضی صاحب کی نوجوانی اور شباب کا ابتدائی دور پہلے اسلامی جمعیت طلبہ اور پھر جماعت اسلامی کے ایک سرگرم اور فعال کارکن کے طور پر گزرا اور جب انہوں نے داعی تنظیم اسلامی کی پکار پر لبیک کہا تو وہ ذہنی ونفسیاتی پختگی کے اُس مقام کو پہنچ چکے تھے جس کی طرف قرآن حکیم نے "حتی اذا بلغ اشدہٗ وبلغ اربعین سنۃ" کے الفاظ میں اشارہ کیا ہے..... چنانچہ تنظیم اسلامی کے نوزائیدہ پودے کو سینچنے کے لیے قاضی صاحب نے بھی اپنے جسم وجان کی توانائیاں بھرپور طور پر لگائیں اور تنظیم کے ابتدائی دس سالوں کے دوران وہ تنظیم میں مختلف اہم ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے، یہاں تک کہ وہ امیر تنظیم کے بعد انتظامی اعتبار سے بلندترین ذمہ داری "قیم تنظیم" کے عہدے پر بھی فائز ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت "دعوت رجوع الی القرآن" کے کام کو بھی اپنے لہو کی کھاد سے جلا بخشتے رہے۔

71 سالہ محترم قاضی صاحب اب عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں قوائے طبیعہ صدائے احتجاج بلند کرتے نظر آتے ہیں، تاہم ان کی زیرِ نظر خودنوشت اِس امر کی شاہد ہے کہ اُن کا دِل آج بھی جوان ہے۔ بلکہ قاضی صاحب کا معاملہ یوں بھی ممتاز ومنفرد ہے کہ وہ اپنی جوانی میں ہی سر اور داڑھی سفید ہو جانے کے باعث "بزرگ" نظر آتے تھے، جبکہ اب بڑھاپے میں بھی نہ صرف یہ کہ اُن کا دل جوان ہے بلکہ اپنے متعدد عوارض کے باوصف آج بھی جب وہ کسی کام میں ہاتھ ڈال دیں تو ان کی فعالیت نوجوانوں کو شرمندہ کرنے کا موجب بھی ہے۔ محترم قاضی صاحب کا ایک اور منفرد اعزاز یہ بھی ہے کہ ان کا پورا گھرانا تحریکی مزاج کا حامل ہے اور دینی جماعتوں کے اتحاد کا ایک جیتا جاگتا نمونہ بھی۔ چنانچہ جب وہ تنظیم میں اہم ذمہ داریوں کو نبھا رہے تھے تو ان کی اہلیہ محترمہ جماعت اسلامی کراچی کے حلقہ خواتین کی قافلہ سالار تھیں اور بڑے صاحبزادے تبلیغی جماعت سے کچھ اس طور سے وابستہ تھے کہ انہیں "فنافی التبلیغ" کہنا مبالغہ آرائی نہ ہوگا۔

محترم قاضی صاحب نے چونکہ ایک نہایت فعال تحریکی زندگی گزاری ہے لہٰذا ہمیں یقین ہے کہ ان کی یہ خودنوشت تمام تحریکی ساتھیوں کے لیے دلچسپی کا موجب بھی ہوگی اور سبق آموزی کا باعث بھی۔ باقی جہاں تک قاضی صاحب کی تحریروں میں موجزن ادبی چاشنی اور شگفتگی کا تعلق ہے "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کی مانند ہر پڑھنے والا اس سے محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (مدیر مسئول)

اے قلم لکھ تُو پہلے بسم اللہ
بعدہٗ لا الٰہ الّا اللہ

اسے میری "خودنوشت" کہہ لیں یا "ذاتی تحریکی یادداشتیں"..... اِن کے تحریر کرنے کا ایک پس منظر ہے..... اور وہ "شانِ نزول" ذیل میں درج کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

اب سے کوئی چار برس پہلے کی بات ہے کہ اس خاکسار نے ہفت روزہ "ندائے خلافت" لاہور میں فکاہیہ کالم "تکلف برطرف" کے عنوان سے تحریر کرنا شروع کیا۔ "تکلف برطرف" کا عنوان دراصل جماعت اسلامی کے معروف رہنما اور نامور صحافی ملک نصراللہ خان عزیز مرحوم کا ہوتا تھا، جس کے تحت موصوف جماعت اسلامی کے ترجمان روزنامہ "تسنیم" لاہور (جس کے وہ مدیر بھی تھے) میں فکاہیہ کالم تحریر کیا کرتے تھے۔ "ندائے خلافت" میں میرے چند کالم شائع ہوئے۔ مجھے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ڈر تھا کہ شاید یہ اُن کے مزاج کے خلاف ہوں۔ چند کالم تو خیریت سے گزر گئے، شاید انہوں نے پڑھے ہی نہ ہوں یا "غضِ بصر" کیا ہو۔ مگر جب ایک کالم "ہٹو بچو، لڑکا آرہا ہے" کے عنوان سے شائع ہوا تو شاید اُن سے پڑھے بغیر نہ رہا گیا۔ عنوان ہی ایسا تھا کہ اچھے اچھے "پارسا" لوگ پڑھنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ خاص طور پر اس کے آخر میں جو لطیفہ درج تھا، وہ تھا بڑا مزیدار..... مگر اس کا نتیجہ میرے حق میں اُلٹا نکلا کہ مجھے محترم ڈاکٹر صاحب کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا۔ خط کیا تھا گویا بم تھا۔ 13 ستمبر 2001ء کے مرقومہ گرامی نامہ (بلکہ عتاب نامہ) کے دوسرے پیراگراف میں محترم ڈاکٹر صاحب نے میری خبر اس طرح لی:

> "میں نے آپ کو "ندائے خلافت" کے لیے کچھ لکھنے کا مشورہ دیا تھا..... لیکن ابھی ابھی تازہ ندائے خلافت کا شمارہ آیا تو اس میں آپ کا کالم پڑھ کر بے اختیار غالب کا یہ مصرعہ ذہن میں آ گیا کہ ع "آئیں وہ یاں خدا کرے، پر نہ خدا کرے کہ یوں!" میری مراد تو یہ تھی کہ آپ کی تحریکی زندگی (جمعیت، جماعت، تنظیم، انجمن) کے دوران کے بہت سے سبق آموز واقعات ہو سکتے ہیں جنہیں ہلکے پھلکے انداز میں اس طور سے تحریر کیا جا سکتا ہے کہ قارئین کے لیے قدرے تفریح بھی ہو جائے اور تحریکی طور پر مہمیز بھی ملے! آپ نے جو اسفار میری معیت میں کیے، ان کے بھی بعض واقعات کی جانب آپ نے بہت عرصہ قبل اشارے کیے تھے۔ اس قسم کی چیزیں مفید ہوں گی..... نہ کہ یہ "ہٹو بچو، لڑکا آیا!" کی قبیل کی تحریریں!"

محترم ڈاکٹر صاحب کی نصیحت یا ہدایت تو آپ پڑھ چکے۔ اب کیوں نہ حافظ عاکف سعید صاحب، مدیر

مسئول ''ندائے خلافت'' کا اِس سلسلہ میں خط بھی آپ کی نذر کر دیا جائے۔ 28 جولائی 2001ء کے مرقومہ خط (جو محترم ڈاکٹر صاحب کے گرامی نامہ سے صرف ڈیڑھ ماہ قبل کا ہے) کے دوسرے پیراگراف میں موصوف مجھے یوں تحریر فرماتے ہیں:

''ایک شکایت (غیر سنجیدہ سی شکایت) آپ سے بھی ہے۔ آپ نے ''تکلف بر طرف'' کے عنوان سے مضمون بھیجا' میں نے چھاپ دیا' توقع تھی کہ یہ سلسلہ آگے بھی چلے گا' لیکن زبان کے چٹخارے کا ایک نمونہ بلکہ ایک جھلک دکھا کر اس چٹخارے سے ہمیں محروم کر دیا!..... آپ ایک ہفتہ کے اندر اندر اگلا مضمون مجھے ارسال کر دیجئے۔ ورنہ.....''

اس ''ورنہ'' اور اس کے بعد پانچ نقطوں نے سچی بات ہے کہ ہمیں ڈرا ہی دیا۔ ڈرپوک تو ہم پہلے ہی سے واقع ہوئے ہیں..... لیکن ''ورنہ'' کے بعد پانچ نقطے..... گویا کہ پانچ لٹھ..... بس دماغ جیسے گھوم گیا۔ حافظ صاحب قبلہ اگر صرف ''مدیر مسئول'' تک ہی ہوتے تو کوئی ایسی ویسی بات نہ تھی' کچھ ''سوال جواب'' میں معاملہ ٹل جاتا..... مگر اصل خوف تھا اُن کے امیر تنظیم اسلامی ہونے کا جن کے ہاتھ پر اس خاکسار نے برضا و رغبت بیعت کی ہوئی تھی۔

قارئین کرام! دیکھا آپ نے..... معاملہ کچھ عجیب سا ہو گیا..... گویا ایک تو گوشمالی کر رہا ہو' اور دوسرا دونوں ہاتھوں سے تھپکیاں دے رہا ہو۔ ایک طرف تھی سخت فہمائش تو دوسری طرف تھی شدید خواہش بلکہ فرمائش! یہ مجبور و ناتواں بندہ اور تھے چکی کے دو پاٹ..... گویا اب اپنا گھر ہی رہا نہ گھاٹ!..... اب تُو ہی بتا تیرا مسلماں کدھر جائے!

ایک وضاحت کرنا بہتوں کے لیے مفید ہو گی..... یہ دو عدد خطوط ..... ایک کا رخ مشرق سے مغرب اور دوسرے کا جنوب سے شمال ..... شائع کرنے سے ہمارا مقصود حاشا و کلا کوئی تنازعہ یا جھگڑا پیدا کرنا نہیں ہے۔ ماشاء اللہ' الحمدللہ اب دونوں ہی اپنی اپنی جگہ صاحب امر ہیں۔ باپ تو بیٹے کے لیے پہلے سے تھا ہی' اب بیٹا بھی باپ کے لیے امیر تنظیم اسلامی ہونے کی حیثیت سے ہو گیا ہے کہ باپ نے بیٹے کے ہاتھ پر ہماری ہی طرح بر ضا و رغبت بیعت کی ہوئی ہے اور سمع و طاعت کے پابند ہو گئے ہیں! گویا ڈیٹرینٹ دونوں ہی کو حاصل ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کا مشورہ بلکہ کہنا چاہیے ہدایت کہ میں اپنی تحریکی زندگی کی یادداشتیں تحریر کروں' نہایت ہی صائب تھی۔ میں نے جب اس سلسلہ میں حافظ عاکف سعید صاحب کو لکھا تو موصوف نے اپنے گرامی نامہ مورخہ یکم اپریل 2004ء (اِسے اپریل فول نہ سمجھا جائے!) میں تحریر فرمایا کہ:

''جہاں تک اس تجویز کا تعلق ہے کہ ایک تحریکی کارکن کی حیثیت سے اپنی زندگی کے مختلف ادوار کو ضبطِ تحریر میں لایا جائے تو ایسا یقیناً ہونا چاہیے' کیونکہ آپ کے مطابق یہ محترم ڈاکٹر صاحب کی بھی خواہش ہے۔ آپ عمر کے ہر حصہ میں جس طرح متحرک' فعال اور سرگرم رہے ہیں اس کی تفصیلات رفقاء کے لیے بلاشبہ تقلید کا باعث ہوں گی۔ اس ضمن میں ''ندائے خلافت'' کے لیے ہمیں اس تحریر کی پہلی قسط کا انتظار رہے گا۔''

''خود نوشت'' تحریر کرنے میں مجھے جو چیز رکاوٹ کا سبب بن رہی تھی وہ تھا لفظ ''میں''..... سچ پوچھیے تو مجھے اِس لفظ ''میں'' سے کچھ چڑ سی ہے..... ''میں نے یہ کیا' میں نے وہ کیا'' وغیرہ کہہ کہہ کر آدمی غرور اور تکبر میں مبتلا نہ سہی اُس کی سرحد تک تو ضرور پہنچ جاتا ہے..... ''قُل ھُو اللہ احد'' اللہ تعالیٰ ایک ہے' یکتا ہے..... اگر اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ہر جگہ اپنے لیے لفظ ''میں'' کے صیغہ میں ہی ارشاد فرماتے تو بھی یہ اُن کی شان سے بعید نہ تھا' لیکن میرے ناقص علم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں اپنے لیے ''میں'' سے زیادہ ''ہم'' کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ آخر ایسا کیوں؟ کیا اس سے ہمیں یہ ہدایت نہیں ملتی کہ ہم ''میں'' کی بجائے ''ہم'' استعمال کریں' تاکہ شیطان انانیت میں گرفتار نہ کر دے..... اب جہاں تک خود نوشت کا تعلق ہے وہ بغیر ''میں'' کے تحریر کی ہی نہیں جا سکتی..... اس لیے کہ اس کا اصل کردار تو میں خود ہوں' چاہے وہ تحریر کتنی ہی حقیقت پسندانہ اور مبالغہ آرائی وغیرہ سے دُور ہو..... ہاں یہ ممکن ہے کہ میں اسے تحریر کر ڈالوں اور میری وفات کے بعد اس کی اشاعت ہو..... یہ تھی میری سوچ! ادھر بانیٔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور امیر محترم حافظ عاکف سعید صاحب کی خواہش بلکہ ہدایت کہ میں اپنی تحریکی زندگی پر مشتمل واقعات پر مبنی خود نوشت ''ندائے خلافت'' میں شائع کرنے کو بھیجوں' ادھر میرے ذہن میں لفظ ''میں'' کے سلسلہ میں خلجان۔ میں ایک مخمصہ میں تھا کہ کیا کروں!

ان حالات میں میرا ذہن بار بار اس طرف جاتا تھا کہ مجھے کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا چاہیے' تو کیوں نہ طنز و مزاح پر مبنی کالم پھر سے تحریر کرنا شروع کر دوں' لیکن محترم ڈاکٹر صاحب کا ''ڈر'' غالب آ جاتا تھا..... یہ جنوری 2004ء کا کوئی مبارک دن تھا کہ ایک خیال اچانک بجلی کی طرح ذہن میں آ کوندا..... اور پھر ''جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے''۔ خیال یہ تھا کہ ''خود نوشت'' کی بجائے یہ خاکسار اپنے ''جنرک'' نام یعنی ''قاضی عبدالقادر'' سے سنجیدہ مضامین تحریر کرے اور قلمی نام یعنی ''مسلم برنی'' سے فکاہیہ اور طنز و مزاح پر مبنی کالم سپردِ قلم کرے۔ یعنی رہے باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی..... میں نے حافظ عاکف سعید صاحب' مدیر مسئول ''ندائے خلافت'' کو اس پروگرام سے آگاہ کیا' اُن کی تو گویا دل کی کلی کھل گئی..... پچھلے تقریباً پورے سال یہ معمول رہا کہ ''ندائے خلافت'' کے ایک شمارہ میں ''قاضی عبدالقادر صاحب'' کا سنجیدہ موضوع پر مضمون شائع ہوتا تھا تو دوسرے شمارے میں ''مسلم برنی صاحب'' کا فکاہیہ کالم۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی نظر سے بچانے کے لیے عنوان بھی شروع کے کچھ عرصہ ''تکلف برطرف'' سے تبدیل کر کے ''طنز و مزاح'' کر دیا تھا۔ اب ڈاکٹر صاحب کیا جانیں کہ یہ ''مسلم برنی'' کون ہے۔ کون معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں؟

قارئین کرام کو لفظ ''برنی'' کے متعلق یہ بتا دوں کہ ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کے اقتدار سے قبل علی گڑھ کا پرانا نام ''کول'' اور بلند شہر کا ''برن'' تھا۔ اب ''کولی'' تو کوئی نہیں کہلاتا یا لکھتا' ہاں ''برنی'' کہا اور لکھا جاتا ہے۔ قادیانیت پر پہلی ضخیم کتاب کے مصنف مولانا محمد الیاس برنی کا تعلق بھی بلند شہر سے تھا۔ پاکستان (کراچی) میں ''برنی ویلفیئر ٹرسٹ'' کے نام سے ایک فلاحی ادارہ بہت اچھا کام کر رہا ہے..... تنظیم اسلامی کے بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ ''قاضی عبدالقادر'' اور ''مسلم برنی'' ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ تحریروں کے لحاظ سے ''قاضی عبدالقادر صاحب'' اور ''مسلم برنی صاحب'' کے مزاجوں میں بڑا فرق تھا۔ ''قاضی عبدالقادر صاحب'' جہاں متین اور سنجیدگی کے پیکر تھے' وہاں ''مسلم برنی صاحب'' شوخ اور چنچل تھے۔ اپنے کالم میں لوگوں سے خواہ مخواہ ''نوک جھونک'' اور ''چھیڑ چھاڑ'' کرتے تھے۔ ''قاضی عبدالقادر صاحب'' نے تو ان کو کبھی منہ نہ لگایا' لیکن وہ اُن سے بھی نوک جھونک کرنے سے باز نہ آئے۔ آپ بور نہ ہو رہے ہوں تو ایک دلچسپ واقعہ سناؤں۔

میں اپنے گھر کی لائبریری میں بیٹھا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی' دوسری طرف قرآن اکیڈمی کراچی کے ڈائریکٹر اور ہمارے عزیز دوست اور رفیق انجینئر حافظ نوید احمد صاحب تھے۔ سلام و دعا کے بعد چھوٹتے ہی کہا کہ ابھی تازہ ''ندائے خلافت'' موصول ہوا ہے' اس میں مسلم برنی نے اپنے کالم میں تمہارا تذکرہ کیا ہے۔ پوچھنے لگے کہ یہ مسلم برنی ہیں کون؟ میں نے کہا کہ کالم نویس ہیں' تنظیم اسلامی کے رفیق ہیں بلکہ ملتزم رفیق۔ پوچھا کہ کہاں رہتے ہیں؟ عرض کیا کہ کراچی میں۔ کہنے لگے کراچی میں رہتے ہیں' ملتزم رفیق ہیں اور میں واقف نہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کراچی میں کہاں رہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ نارتھ ناظم آباد میں۔ کہنے لگے پہیلیاں نہ بجھواؤ' یہ بتاؤ کہ کہاں' کیا تمہارے گھر کے قریب؟ میں نے کہا کہ ہاں بہت قریب' اور میں پہیلیاں کہاں بجھوا رہا ہوں' جو آپ پوچھ رہے ہیں' اُس کا صاف صاف جواب دے رہا ہوں' آخر آپ یہ اتنی

Investigation کیوں کر رہے ہیں؟ وہ ذرا سا خاموش ہو گئے' میں سمجھا کہ کہیں ناراض نہ ہو گئے ہوں' اس لیے کہا کہ اس وقت وہ (مسلم برنی) میرے قریب ہی ہیں۔ ''کیا کہا؟ قریب ہی ہیں'' وہ ذرا سا چہکے۔ میں نے سوچا کہ اب اس قصہ کو ختم کروں۔ عرض کیا کہ ہاں وہ اتنا قریب ہیں کہ میرے ذہن سے سوچتے ہیں' میرے ہاتھ سے لکھتے ہیں' میرے..... یہاں تک کہا تھا کہ اُن کے قہقہے اور یہ کہنے کی آواز آئی' ہاں اب میں سمجھ گیا' میں سمجھ گیا اور پھر اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''خودنوشت'' تحریر کرنے سے متعلق میرے مخمصہ کی وجہ سے میری بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر کار ڈیڑھ سال کی ذہنی کشمکش کے بعد اپنے آپ کو اس پر آمادہ کر لیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ اب جو ہو' سو ہو' اپنی سرگزشت تحریر کروں گا اور وہ شائع ہونے کو دے دی جائے گی۔ بلا کسی مبالغہ آرائی کے واقعات کو من وعن پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر بھی اگر کہیں کوئی فروگزاشت ہو جائے تو اللہ میری نیک نیتی اور دل کے حال سے واقف ہے اور بڑا ہی غفور و رحیم ہے..... میں نے اپنے اس فیصلہ سے حافظ عاکف سعید صاحب کو مطلع کر دیا۔ فوراً ہی موصوف نے اپنے عنایت نامہ مرقومہ 11 جون 2005ء میں اس بندۂ عاصی کو اپنی خودنوشت بھیجنے کی ہدایت فرمائی۔

سو میرے پیارے قارئین! یہ ہے شانِ نزول میری اس سرگزشت کی جس کی تفصیل آپ اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ میں نے جو یہ فیصلہ کیا کہ اب میں لفظ ''میں'' کو بلا خطر استعمال کروں گا اس پر مجھے وہ اشعار یاد آ گئے جو کبھی کبھی محترم ڈاکٹر صاحب مزے لے لے کر سنایا کرتے ہیں۔

کہا ہم چین کو جائیں..... کہا تم چین کو جاؤ
کہا جاپان کا ڈر ہے..... کہا جاپان تو ہوگا
کہا ہم اونٹ پر بیٹھیں..... کہا تم اونٹ پر بیٹھو
کہا کوہان کا ڈر ہے..... کہا کوہان تو ہوگا
کہا کعبہ کو ہم جائیں..... کہا کعبہ کو تم جاؤ
کہا شیطان کا ڈر ہے..... کہا شیطان تو ہوگا!

❁❁❁

❁❁ ضرورت رشتہ ❁❁

☆ لاہور کی رہائشی مغل برادری سے تعلق' بیٹی تعلیم ایف اے' عمر 20 سال کے لیے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: محمد عبداللہ فون: 6866246

QURAN COLLEGE OF ARTS & SCIENCE
Registered & Recognised by the BISE Lahore

دنیوی اور دینی تعلیم کا حسین امتزاج

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

نگران و سرپرست : ڈاکٹر اسرار احمد

Classes:
- FA (Arts Group)
- FA (General Science)
- I.Com (Banking/Computer)
- ICS (Math+Stat+Computer Science)
- BA (Ecomomics+Maths)
- BA (Other Combination)

o بی اے (سال اول) کے داخلے 17 ستمبر تک جاری ہیں۔
19 ستمبر سے کلاسز کا آغاز ہو جائے گا۔
o ایف اے کے داخلوں کی آخری تاریخ (لیٹ فیس کے ساتھ) 24 ستمبر ہے۔

- ایک مکمل تعلیمی و تربیتی پروگرام
- بنیادی دینی تعلیم کا خصوصی اہتمام
- بورڈ اور یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کی معیاری تدریس
- آڈیو اور ویڈیو سہولتوں سے آراستہ
- لاہور کے خوبصورت اور پرسکون علاقے میں شاندار عمارت
- انتہائی محنتی اور قابل اساتذہ
- ہم نصابی سرگرمیوں میں تحریر و تقریر پر خصوصی توجہ
- مثالی نظم و ضبط
- وسیع و عریض' قابل دید' ایئر کنڈیشنڈ آڈیٹوریم
- ہاسٹل کی محدود سہولت' فرنشڈ کمرے
- کمپیوٹر ایپلیکیشنز میں Office 2000 کی لازمی اور مفت تعلیم

مزید تفصیلات کے لئے درج ذیل پتے سے پراسپکٹس طلب کیجئے

قرآن کالج 191 اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور ☎: 5833637

طوبیٰ گرلز کالج لاہور

داخلہ جاری ہے

برائے انٹرمیڈیٹ و بی اے کلاسز

☆ دینی ذہن رکھنے والے گھرانوں کی بچیوں کے لیے تعلیمی و تربیتی مرکز
☆ قابل اور کوالیفائیڈ فیکلٹی
☆ باپردہ ماحول اور دینی تعلیم و تربیت کی اضافی سہولت
☆ لاہور بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی میں نمایاں پوزیشنیں
☆ قریبی علاقوں سے ٹرانسپورٹ کی سہولت

78' سیکٹر A-1' ٹاؤن شپ لاہور۔ فون: 5114581

نئے شامل ہونے والے رفقاء کا امیر حلقہ سے تعارف

تنظیم اسلامی حلقۂ لاہور میں نئے شامل ہونے والے رفقاء کا امیر حلقہ سے تعارف کا چوتھا پروگرام 4 ستمبر 05ء بروز اتوار صبح دس بجے مرکز گڑھی شاہو میں منعقد ہوا۔ اس پروگرام میں مقامی تناظیم لاہور شمالی نمبر 1 اور شمالی نمبر 2 میں نئے شامل ہونے والے رفقاء خصوصی طور پر مدعو تھے۔ پروگرام کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد نئے شامل ہونے والے رفقاء نے نام' تعلیم' پیشہ' رہائش' کب تنظیم میں شامل ہوئے اور تعارف کیسے ہوا' کے عنوانات کے تحت اپنا تعارف کرایا۔ دورانِ تعارف جناب عبدالرزاق صاحب نے بانیٔ تنظیم کا تعارف اور تنظیم کا قیام کن حالات میں ہوا؟ کے تحت 15 منٹ کی گفتگو کی۔ انہوں نے شرکاء پر واضح کیا کہ تنظیم اسلامی کا قیام دینی فرائض کے جامع تصور کی بنیاد پر ہوا ہے۔ اس کے بعد پھر شرکاء نے اپنا تعارف کرایا۔ اس پروگرام کے بعد کچھ دیر کا وقفہ ہوا۔ وقفہ کے بعد امیر حلقہ ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب نے ملٹی میڈیا کے ذریعے تنظیم اسلامی کے لوگوں کا تعارف کرایا' پھر کمپیوٹر کی مدد سے امیر تنظیم حافظ عاکف سعید صاحب کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد مرکزی ٹیم اور پھر پورے پاکستان میں پھیلے تنظیم اسلامی کے حلقہ جات کا تعارف کرایا۔ لاہور شہر کی تناظیم اور علاقہ جات کا تعارف بھی کرایا گیا۔ اس دلچسپ تعارف کے بعد امیر حلقہ نے رنگین چارٹ کی مدد سے سہ منزلہ دینی فرائض کے اس تصور کی وضاحت کی جس کی بنیاد پر تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا ہے۔ آدھے گھنٹے کے اس خطاب کے بعد ذاتی احتسابی یادداشت کے حوالے سے رفقاء تنظیم کے مطلوبہ اوصاف بیان کئے جس میں واضح کیا کہ احتسابی یادداشت کس طرح اللہ سے تعلق بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ نماز ظہر کے بعد اجتماعی کھانے پر یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔

(مرتب: محمد یونس)

اسرہ بی بیوز کا شب بیداری پروگرام

تنظیم اسلامی اسرہ بی بیوز کی ماہانہ شب بیداری کا تن بالا مسجد میں ہوئی۔ نماز عصر کا بیان دو مساجد میں ہوا' جس میں مقامی لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

نماز مغرب کے بعد جناب ممتاز بخت نے منہج انقلاب نبویؐ اور موجودہ حالات کی ابتری پر مدلل گفتگو کی۔ چنانچہ کئی افراد نے تنظیم اسلامی میں شمولیت کی خواہش ظاہر کی۔

نماز عشاء کے لیے جناب ممتاز بخت نے عظمت قرآن پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ اس کے بعد اسرہ بی بیوز کے رفقاء کی تربیت کے لیے کچھ باتیں ہوئی اور صبح کی نماز کے بعد عالم زیب نے قرآن کا درس دیا اور عبادتِ رب کے موضوع پر جامع تقریر کی۔ جس پر یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

تنظیم اسلامی کھچی والا فورٹ عباس کا ماہانہ تربیتی اجتماع

مورخہ 26 اگست بروز جمعہ تنظیم اسلامی کھچی والا فورٹ عباس کا ماہانہ تربیتی اجتماع نماز عصر سے لے کر عشاء تک بمقام ڈگیاں والی مسجد فورٹ عباس میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز امیر حلقہ محمد منیر احمد صاحب کے درسِ قرآن سے ہوا۔ درسِ قرآن سورۃ المومنون کی آیت نمبر 1 تا 11 پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد امیر حلقہ نے سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 10 تا 12 کا درس دیا۔ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی بھی اجتماعیت کو مستحکم رکھنے کے لیے اس کے ارکان کو چاہیے کہ وہ سختی کے ساتھ درج ذیل باتوں سے پرہیز کریں۔ باہم استہزاء نہ ہو' الزام بازی سے پرہیز' برے نام رکھنا' بدگمانی سے بچنا' جاسوسی سے بچنا' غیبت نہ کرنا۔ یہ درس مغرب کی اذان تک جاری رہا۔ اُس کے بعد سب ساتھیوں نے نماز مغرب ادا کی' اس کے بعد ابرار اشرف نے درسِ حدیث دیا جس کا موضوع تھا فضیلت قرآن۔ انہوں نے بھی بڑی دل موہ لینے والی باتیں بیان کیں۔ مقامی امیر نے ضروری اعلانات کیے اور اُس کے بعد سب ساتھیوں نے مل کر کھانا کھایا اور اپنے گھروں کی راہ لی۔ اس پروگرام میں تقریباً 35 رفقاء و احباب نے شرکت کی۔

(رپورٹ: شکیل حسین فراز)

حلقہ پنجاب وسطی کی شب بسری

13 اگست 2005ء کو حلقہ پنجاب وسطی کا شب بسری پروگرام برہان مسجد فیض کالونی ٹوبہ میں منعقد ہوا۔ جھنگ اور لیہ کے رفقاء نماز مغرب سے پہلے برہان مسجد میں پہنچ چکے تھے۔ مقامی رفقاء نے ان کا استقبال کیا۔ نماز مغرب سے متصلاً بعد پروگرام کا آغاز امیر حلقہ مختار حسین فاروقی کے افتتاحی کلمات سے ہوا۔ محترم فاروقی صاحب نے پروگرام کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں تنظیمی فکر کو تازہ رکھنا ہے اور اپنے دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے جذبۂ عمل بیدار رکھنا ہے۔ اس کے بعد راقم نے ایک حدیث کے حوالے سے موجودہ دور میں مسلمانوں کی کمزور کیفیت کا سبب بیان کیا۔ بعد ازاں نقیب اسرہ ٹوبہ عبدالغفار صاحب نے نہایت سلیس اور مؤثر انداز میں فکر آخرت کے موضوع پر گفتگو کی۔ نماز عشاء کے وقفے کے بعد ضلع دیر کے ایک سینئر رفیق تنظیم مولانا غلام اللہ حقانی نے ''دور جدید کا علمی چیلنج اور اس کا حل'' کے موضوع پر ایک گھنٹہ لیکچر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دور مغربی فکر و فلسفہ اور علوم و فنون کی بالادستی کا دور ہے۔ آزاد خیالی اور سیکولرازم مغربی تہذیب کے اوصاف ہیں۔ فکری اور علمی سطح پر شیطانی فلسفوں اور ملحدانہ افکار و نظریات کا توڑ کرنا اور اسے دلیل سے رد کرنا اہل علم کا اولین فریضہ ہے' مگر اس کی طرف توجہ نہیں دی جا رہی۔ آپ نے یہ بات بڑے زوردار انداز میں کہی کہ اسلام کو دوبارہ عروج کی طرف مائل کرنے کا طریق کار صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم قرآن کی روح سے وابستہ رہتے ہوئے مغرب کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید کریں۔ حقانی صاحب کی گفتگو کے بعد عشائیہ کے لیے وقفہ ہوا۔ ساڑھے دس بجے لیہ کے رفیق انجم صحرائی نے ''رفقاء میں جذبہ کیسے پیدا کیا جائے'' کے موضوع پر بات کی۔ اسلام میں عدل کے تصور کے حوالے سے نقیب اسرہ لیہ چوہدری محمد صادق نے قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ شب بیداری کی اس نشست کے اختتام پر رفقاء کو تجاویز پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔ رات تقریباً پونے بارہ بجے رفقاء کو آرام کا وقت دیا گیا۔ علی الصبح نوافل اور نماز فجر کے لیے رفقاء و احباب بیدار ہوئے۔ نماز فجر کے بعد محترم فاروقی صاحب نے سورۂ نور کے آخری رکوع کا درس دیتے ہوئے اجتماعیت کے نظم کے تقاضے بیان کیے۔ صبح 6 بجے ناشتہ کے بعد شب بسری کا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ امیر حلقہ نے مسجد انتظامیہ کے تعاون پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ (مرتب: پروفیسر خلیل الرحمٰن)

تنظیم اسلامی جاربا جوڑ کا دعوتی اجتماع

مقامی تنظیم کا ماہانہ دعوتی اجتماع ہفتہ 6 اگست 2005ء بعد از نماز عصر شیر محمد حنیف صاحب کے خطاب سے شروع ہوا۔ آپ نے ''فرائض دینی کا جامع تصور'' کے موضوع پر مدلل خطاب کیا۔ بعد از نماز مغرب مقامی تنظیم کے امیر جناب گل رحمٰن نے ''قرآن مجید کے حقوق'' بیان کیے۔ بعد از نماز عشاء رفیق الرحمٰن نے فرمان رسولؐ پیش کیا۔ رات کھانے کے بعد رفقاء کے لیے ایک تربیتی نشست رکھی گئی۔ نماز فجر کے بعد محمد نعیم نے درس قرآن دیا۔ آپ نے سورۃ النور کی ایک آیت پر مفصل گفتگو کی۔ ناشتہ کے بعد افہام و تفہیم کی ایک مختصر نشست کے بعد یہ پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ اس پروگرام میں مجموعی طور پر 80 افراد شریک ہوئے۔

(رپورٹ: محمد سعید)

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کی شب بیداری

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کے ماہانہ شب بیداری کے پروگرام کے لئے 18 اگست بروز جمعرات مغرب کے فوراً بعد رفقاء الہدیٰ مسجد میں اکٹھے ہوئے۔ سب سے پہلے جناب ساجد محمود نے سورۂ تحریم کے پہلے رکوع کی تلاوت کی اور ترجمہ بھی پڑھ کر سنایا۔ تلاوت کے بعد محترم برادرم نعیم نے اجتماعی زندگی میں جماعتی زندگی کی اہمیت پر مختصراً درس دیا۔ بعد ازاں اس پر تقریباً آدھا گھنٹہ مذاکرہ کیا گیا۔

اس کے بعد عشاء کی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ نماز کے بعد امیر محترم رؤف اکبر صاحب نے سورۂ نور کے آخری رکوع کے ضمن میں رخصت لینے کے طریقہ کار کو واضح کیا۔ اس کے بعد مقامی امیر جناب رؤف اکبر صاحب نے نماز کی اہمیت پر گفتگو کی اور مسائل نماز بھی بیان فرمائے۔ تمام رفقاء نے مل کر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد بھی سورۂ نور کے آخری رکوع پر مذاکرہ جاری رہا۔ جس میں سورۂ توبہ کی آیات 42 تا 43 کو بھی زیر بحث لایا گیا۔ رات کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے رفقاء کو سونے کا وقت دیا گیا۔

صبح تین بجے سب رفقاء تہجد کے لیے بیدار ہوئے۔ تہجد کے بعد چار بجے سے لے کر پونے پانچ بجے تک مطالعہ احادیث ہوا' جس میں حیا کے موضوع پر مذاکرہ ہوا۔ پانچ بجے فجر کی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ بعد نماز فجر "حالات حاضرہ اور تنظیم اسلامی کا نقطۂ نظر" پر بحث کی گئی۔ امیر صاحب نے فرمایا کہ رفقاء کو چاہیے کہ وہ اپنے دروس میں باطل کو نمایاں کر کے پیش کریں تا کہ لوگ باطل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں رفقاء تنظیم اسلامی کے کندھوں پر بہت بھاری ذمہ داری ہے۔ اس لیے رفقاء کمر کس کر اپنے کام میں لگ جائیں۔ ساڑھے چھ بجے صبح ناشتہ کے بعد اس پروگرام کا اختتام ہوا۔ اس شب بیداری میں تقریباً 15 رفقاء نے شرکت کی۔ (رپورٹ: شکیل احمد)

فلک سیر (ٹورسٹ) ریزورٹ ساگر ریسٹورنٹ

ملم جبہ' سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام وطعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے' روشن اور ہوادار کمرے' نئے قالین' عمدہ فرنیچر' صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے' اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن' جی ٹی روڈ' امانت کوٹ' مینگورہ سوات

فون دفتر: 0946-725056' ہوٹل: 0946-835295'

فیکس: 0946-720031

"برتری کے زعم اور بداعمالیوں کے سبب مسلمان زوال کا شکار ہیں"

لاہور 11 ستمبر' ڈاکٹر اسرار احمد نے آج قرآن آڈیٹوریم میں اپنے ہفتہ وار درس قرآن میں سورہ مائدہ کے درس کے دوران کہا کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانان عالم' خصوصاً عرب اور ہم پاکستانی مسلمان اپنی بداعمالیوں کے سبب عذاب الٰہی میں گرفتار ہیں جبکہ ہم اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہم امت محمد ﷺ میں سے ہیں اور باقی تمام انسانوں سے برتر ہیں' ہم پر عذاب نہیں آتا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جو قوم کسی رسول' خاص کر کسی صاحب کتاب و شریعت رسول ﷺ کی امت ہوتی ہے وہ گویا زمین پر اللہ کی نمائندہ شمار ہوتی ہے اور اگر اس کا رویہ اور طرز عمل آسمانی تعلیمات کے منافی ہو اور وہ کتاب الٰہی کی تعلیمات اور شریعت سے مختلف ہی نہیں متضاد نقشہ پیش کرے تو یہ ناقابل معافی جرم ہے جس کی سزا اسی دنیا میں ملتی ہے' کیونکہ وہ اللہ اور بندے کے درمیان رابطے اور قرب کا ذریعہ بننے کی بجائے الٹا رکاوٹ بن جاتی ہے۔ لوگ اسے دیکھ کر دین کی طرف راغب ہونے کی بجائے اس سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قسمت کی ستم ظریفی یہ ہے کہ اس قسم کے عذاب اجتماعی میں مبتلا قومیں اور امتیں اس زعم میں مبتلا ہوتی ہیں کہ ہم تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو مانتے ہیں لہٰذا عذاب صرف کافروں پر ہوگا جبکہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ "اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں" تمہارا یہ طرز عمل اللہ کے غضب کو بہت بھڑکانے والا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جو قومیں کسی رسول کی امت ہونے کی دعویدار نہیں ہیں ان کی جزا و سزا کا معاملہ آخرت میں ہوگا لیکن جو قوم کسی رسول کی دعوت اس کی موجودگی میں رد کر دے یا بعد میں آنے والے رسول کی امت ہونے کے دعویدار ہونے کے باوجود رسول کی لائی ہوئی کتاب و شریعت سے انحراف کریں' انہیں اسی دنیا میں سزا دی جاتی ہے' جس میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ہمارا سارا زور حج اور عمروں پر ہوتا ہے لیکن باطل نظام میں زندگی گزارنے پر ہمیں کوئی تشویش نہیں ہوتی جو قرآن اور اسلام کی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ ہمیں چاہیے کہ ایک قیادت میں منظم ہو کر یہاں اسلامی نظام لانے کے لیے جدوجہد کریں۔

سردار عوان
(معتمد ذاتی)

دعائے صحت

جناب عبدالقدیر بٹ صاحب امیر تنظیم اسلامی سیالکوٹ گزشتہ دنوں ایک ٹریفک حادثے میں شدید زخمی ہو گئے ہیں۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء و احباب سے اُن کی صحت یابی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت

حلقہ پنجاب غربی کے مبتدی رفیق جناب محمد آصف ندیم کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں۔
قارئین ندائے خلافت اور رفقاء و احباب سے ان کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

حسنی مبارک پھر صدر بن گئے

مصر عالم اسلام کا ایک اہم ملک ہے۔ پچھلے ہفتے وہاں صدارتی انتخابات منعقد ہوئے جو موجودہ صدر حسنی مبارک نے 88.6 فیصد ووٹ لے کر جیت لیے۔ ان کا مقابلہ نو امیدواروں سے تھا۔ ان میں سے غد (Ghad) پارٹی کے ایمان نور نے سب سے زیادہ ووٹ لیے یعنی 7.6 فیصد۔ حزب اختلاف نے انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگایا ہے اور اس سلسلے میں حکومت کے خلاف مظاہرے جاری ہیں۔

انتخابات میں بہت کم مصریوں نے ووٹ ڈالے۔ غیر سرکاری اداروں کے مطابق ٹرن آؤٹ صرف 20 سے 25 فیصد رہا۔ عوام کی عدم دلچسپی سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے انتخابات کو سنجیدگی سے نہیں لیا' شاید اس لیے کہ انہیں علم تھا کہ حسنی مبارک جیت جائیں گے۔ حسنی مبارک اپنی جیت سے مصر کے چھٹی بار صدر بن گئے ہیں' جو دنیائے عرب میں آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا اور اہم ملک ہے۔

77 سالہ حسنی مبارک کی حکومت کو آمریت سے ملتی جلتی شکل قرار دیا جا سکتا ہے۔ چونکہ ان کی سرکاری پالیسی ''معتدل'' ہے' اس لیے کئی عرب ممالک کی طرح انہیں بھی امریکی حمایت حاصل ہے۔ تاہم اب امریکا کو احساس ہو گیا ہے کہ وہ عرب عوام کا دل نہیں جیت سکتے' صرف بادشاہ اور آمر ہی ان کے ساتھ ہیں۔ اسی لیے امریکیوں کی کوشش ہے کہ عرب ممالک میں جمہوریت آ جائے۔

شیری بلئیر اور اسلام

برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر پچھلے ہفتے بھارت تشریف لائے تھے۔ ہمراہ بیگم شیری بلیئر بھی تھی جو پیشے کے لحاظ سے وکیل ہے۔ شیری نے بھارتی خواتین صحافیوں کی ایک تنظیم ''انڈین وومنز پریس'' کے استقبالیے میں خواتین سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: ''میں اسلام سے بہت متاثر ہوں' لیکن اس مذہب میں خواتین کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی فلسفیانہ بنیادیں بہت گہری ہیں۔

چونکہ شیری بلیئر ایک نجی محفل میں مدعو تھیں' اس لیے وزیراعظم برطانیہ نے اپنی بیوی کے ''ارشادات'' پر کوئی تبصرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ ہمیں اُمید ہے کہ اسلام میں خواتین کے مقام و مرتبے کے بارے میں بیگم صاحبہ کو سخت غلط فہمی ہے۔ اسلام تو دنیا کا وہ پہلا مذہب ہے جس نے حیوانوں کے درجے پر گری ہوئی عورت کو معاشرے میں نہایت باعزت مرتبہ عطا کیا اور اُسے ایک مقدس روپ بخشا۔ اُمید ہے کہ وہ مزید اسلامی کتب خصوصاً قرآن پاک کا مطالعہ کر کے یہ حقیقت جان جائیں گی۔

اسرائیل نے ایٹم بم کیسے بنایا؟

اب یہ بات کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ اسرائیل ایٹم بم رکھتا ہے مگر اس میں شاید اتنی جرأت نہیں کہ وہ اس امر کا اقرار کر سکے یا اپنی روایتی عیاری اور مکاری کے باعث یہودی کوئی کھیل کھیلنا چاہتے ہیں۔ اسرائیلی غنڈہ گردی کو امریکیوں اور انگریزوں کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے' کیونکہ انہی دونوں طاقتوں نے ریاست اسرائیل کی بنیاد رکھی ہے۔

حال ہی میں برطانیہ کی خفیہ سرکاری دستاویزات افشا ہونے سے انکشاف ہوا ہے کہ برطانیہ کی مدد ہی سے اسرائیل نے ایٹم بم بنایا ہے برطانیہ نے 1950ء کے عشرے میں اسرائیل کو 20 ٹن بھاری پانی دیا تھا جس کی مدد سے یہودیوں نے ایٹم بم بنا لیا۔ اسرائیل کا زیرزمین واقع ایٹمی ری ایکٹر جو صحرائے نیگف میں دیمونا کے مقام پر واقع ہے۔

یاسر عرفات کی موت کا راز

اسرائیل میں ایک نئی کتاب شائع ہوئی ہے جس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ یاسر عرفات کی موت زہر کھانے سے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ ایڈز یا کوئی چھوت (انفیکشن) بھی ہلاکت کا سبب ہو سکتی ہے۔ کتاب کے مصنف ایوی اسحاقروف نے تل ابیب یونیورسٹی میں ایڈز کے ماہر خصوصی پروفیسر جونی گیرشونی کے حوالے سے بتایا ہے کہ یاسر عرفات کی موت کے جو اسباب بتائے گئے ہیں' وہ مرض ایڈز کے اسباب سے ملتے جلتے ہیں۔ اس کتاب کا نام ہے ''دی سیونتھ وار'' جو طبع ہو چکی ہے۔

دوسری طرف دیگر طبی جائزوں سے پتا چلا ہے کہ اس ایک وجہ کو دریافت کرنا بڑا مشکل ہے جس کے باعث یاسر عرفات چل بسے۔ بس یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور وہ چپ چاپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

امریکا کے سابق وزیر خارجہ کولن پاول نے 2003ء میں اقوام متحدہ میں ایک تقریر کی تھی' جس میں انہوں نے بڑی تفصیل سے بتایا تھا کہ عراق میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں۔ یعنی جب امریکا نے عراق پر قبضہ کر لیا تو امریکی سرتوڑ کوشش کے باوجود وہ ایک خطرناک ہتھیار بھی برآمد نہیں کر سکے اور ان کے دعوؤں کا پول کھل گیا۔

اب آ کر انہوں نے امریکی ٹیلی ویژن ''اے بی سی نیوز'' کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے بتایا: ''وہ تقریر ذاتی طور پر میرے لیے تکلیف دہ ہے' بلکہ وہ میرے شفاف سیاسی کیریئر پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ امریکا کی ایک اعلیٰ سرکاری شخصیت کے انکشاف سے ثابت ہو گیا کہ امریکا نے جن وجوہ کی بنا پر حملہ کیا' وہ ٹھوس ثبوتوں پر استوار نہیں تھے۔ کیا یہ نہایت صدمہ انگیز بات نہیں ہے؟

امریکہ نے خواہ مخواہ ایک ملک پر حملہ کر دیا جس میں ہزاروں بے گناہ مرد' خواتین اور بچے ہلاک ہو گئے۔ امریکی دعویٰ یہ ہے کہ وہ عراق میں امن قائم کرنے آئے ہیں۔

اسرائیل کے مسلم ممالک سے تعلقات

اخباری اطلاعات کے مطابق اسرائیلی کم از کم دس اسلامی ممالک سے تعلقات قائم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ اسرائیل کے پہلے ہی ترکی' مصر' اردن اور موریطانیہ کے ساتھ سرکاری تعلقات ہیں۔ تل ابیب کے مراکش' تیونس اور قطر کے ساتھ بھی محدود پیمانے پر روابط ہیں۔ فی الوقت اسرائیلی سفارت کاروں کی کوشش ہے کہ شمالی افریقہ اور خلیج کے علاقے میں اپنے دوست پیدا کیے جائیں۔

اسلامی دنیا میں اسرائیل کا سب سے قریبی دوست ترکی ہے۔ نوے کے عشرے میں دونوں نے سفارتی تعلقات قائم کیے اور 1996 میں انہوں نے فوجی معاہدے بھی کیے۔ اس کے علاوہ ترک اور اسرائیلی فوجی ماہرین مل کر جدید ترین ہتھیار بھی بنا رہے ہیں۔ ان میں فضا سے زمین تک مار کرنے والا میزائل اور کروز میزائل شامل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ترک حکومت نے وہ اقدامات کیے جن کے ذریعے اسرائیل اور پاکستان کے درمیان پہلا سرکاری رابطہ ممکن ہو گیا۔ اب اسرائیلیوں کو یقین ہے کہ جلد مراکش یا تیونس بھی اسرائیل سے تعلقات قائم کر لیں گے۔

the sphere of religion altogether, and which is full of verses that exhort believes to exercise restraint, mercy and kindness.

The question is: If Allah gave choice to believe or not to believe, then why did He punish, and in the case of war physically challenged, the people of Prophet Nuh, Lut, Shu'aib, the 'Ad, the Thamud, and Pharaoh and his followers and why did Prophet Mohammed PBUH go to many wars? The answer to this question shows to which extent Islam is a religion of peace.

Those people were not punished simply because of their disbelief. They were punished because they had become oppressors. They committed aggression against the righteous, and stopped others to come to the way of Allah. There were many in the world who denied Allah, but Allah did not punish every one, nor did Prophet Mohammed PBUH went out to slaughter all non-Muslims.

The phenomenon of 'zulm' (injustice) in any form and at any point of time is repeatedly and emphatically condemned in the Qur'an. There is no tolerance for zulm and no reconciliation with the oppressors as long as they do not renounce their zulm. The condemnation of 'zulm' or 'wrong' by virtue of its repeated emphasis and the centrality of the terms that define it, has immense significance for building a just social and economic order which characterizes the religion of Islam.As Professor Kenneth Cragg of Cambridge University has explained in his book, The Mind of the Qur'an, that the usage of "the derivatives of the root 'zalama' verbs, nouns and participles are among the most frequent of all Qur'anic terms... exceeded only by the most central of all words, like Allah, Rabb and Rasul."

Now compare Kenneth Cragg's explanation of the word zulm in the Qur'an with the words and deeds of those at the hands of whom their own people in general and Muslims in particular suffer today. According to Cragg: "The basic sense of 'zalama' is to do wrong, to treat wrongfully, to deal unjustly, with or without an object. It is the act of falsifying in not according to what is due, whether to things or to people, to truth or to trust. It means distortion and perversity, tyranny and evil will. More frequently 'zulm' denotes wrong against fellow humanity - injustice, deceit, fraud, slander, treachery, calumny, robbery and the rest."

If we start with the Bush and Blair's lying for invading Iraq and go back to search the history of colonialism for the past five hundred years, we will come to the conclusion that the root cause of the present turmoil is nothing but pure zulm of the colonialists of the past and the totalitarians of today on the one hand, and perpetuation of colonial legacy by their puppets among Muslims on the other. Their misinformation campaigns deviated Muslims away from what the Qur'an repeatedly calls "the Straight Path," and their economic tyranny robs them of every possible opportunity to invest in poverty alleviation and other ventures for human development.

In the light of this discussion, the real purpose of fighting for Muslims is to remove injustice and aggression. Muslims are allowed to keep good relations with non-Muslims. Allah says, "Allah does not forbid you that you show kindness and deal justly with those who did not fight you in your religion and did not drive you out from your homes..." (60:8). The objective of allowing Muslims to fight was to establish religious freedom, to stop all religious persecution, to protect the houses of worship of all religions, mosques among them (22:40, 2:193, 8:39, 2:190).

Tolerance, moderation and reconciliation are the mechanism used for upholding human rights, pluralism (including cultural pluralism), and the rule of law. Submission to injustice and tyranny is no tolerance. Islam is moderate between turning your left cheek to him who hits you on the right one, and between paying someone back tenfold. Allah says: "And those who, when an oppressive wrong is inflected on them, help and defend themselves. The recompense for an injury is an injury equal thereto (in degree), but if a person forgives and makes a reconciliation, his reward is due from Allah; surely He loves not those who do wrong" (42:39-40). He, Most Gracious, also says: "And if you punish (your enemies), punish them with the like of that with which you were afflicted. But if you endure patiently, verily, it is better for those who are patient. And endure you patiently; your patience is not but from Allah. And grieve not over them and be not distressed because of what they plot" (16: 126-127).

The bottom-line is that there is no such thing as moderate and extremist Islam justified with either of the two grand misconceptions discussed above. Islam doesn't need any prefixes or suffixes. Islam's moderation lies in its balanced approach towards living individual and collective life. Any attempt at justifying classification of Islam and Muslims amounts to helping the Western war lords in their war on Islam.

Notes

[1] http://yaleglobal.yale.edu/display.article?id=4016

[2] Pipes, Daniel, "The Rock Star and the Mullah, Debate: Democracy and Islam," a PBS debate between Daniel Pipes and Muqtedar Khan. http://www.pbs.org/wnet/wideangle/shows/junoon/debate.html

[3] Irshad Manji, is promoted as the torch bearer of "moderate" Islam. Daniel Pipes called her a "Practicing Muslim" in his "[Moderate] Voices of Islam," New York Post, September 23, 2003.

[4] See, publisher's note on Irshad Manji's latest book, "The Trouble with Islam."

[5] Ibid. Publisher note.

[6] Being a Muslim, one has to be moderate. "We made you a nation of moderation and justice"(Qur'an; 2:143) See: Sahih Bokhari, Vol 3, Book 40, Hadith # 550; Vol 4, Book 55, Hadith # 629; Vol 7, Book 70, Hadith # 577; Vol 8, Book 76, Hadith # 470, 471 and 474 and Sahih Muslim, Book 032, Hadith Number 6243. See http://icssa.org/moderate.html for details.

[7] Qur'an also gives example of those who had accepted the revealed books in parts (5:13-14)

[8] For example, see the preconditions for passing the test of moderation that demand rejection of the Qur'anic view about court testimony of a man and woman and their share in the inheritance. Another pre-condition for "moderates" is to agree to "scholarly inquiry into the origins of Islam."

[9] Sam Harris, "Mired in the religious war," Washington Times, December 02, 2004. http://www.washtimes.com/op-ed/20041201-090801-2582r.htm

[10] See Intolerance in the Qur'an: URL: http://www.skepticsannotatedbible.com/quran/int/long.html

[11] Daniel Pipes, "Identifying Moderate Muslims," New York Sun, November 23, 2004 URL: http://www.danielpipes.org/article/2226 Muslims.

[13] Daniel Pipes, "The Evil Isn't Islam," New York Post, July 30, 2002,

Muslim masses or the former colonialists and the stooges they remotely control for ruling the masses with the barrel of a gun since their strategic withdrawal in the name of decolonization?

Let us agree with Musharraf that "a people suffering from a combination of all these lethal ills are easily available cannon fodder for the propagation of militancy and the perpetration of extremist, terrorist acts." The question, however, is: what is the root cause for these ills? When these ills do not originate because of Islam, why then needlessly introduce different versions of Islam, or a strategy with a deceptive title, to address them?

In the same breath, Musharraf admits: "it is not Islam as a religion which preaches or infuses militancy and extremism but the political disputes which led to antagonism in the Muslim masses." Logically, the discussion should end at this point because if Islam doesn't teach militancy and extremism, it is of no use to introduce "moderate" or "liberal," or "progressive" forms of Islam and leaving the dispute to the unjust to resolve. The need is to tackle the causes that lead to reactionary sentiments, but where is the strategy for that?

Musharraf equates moderation with "conciliatory approach" and shows that Islam is not in conflict with secularism. Here Musharraf attempts to make his mantra acceptable to the enemies of Islam by making Islam compatible with secularism.

What is actually expected of "moderates"

The above discussion is about Musharraf's icing on the cake of "moderation." It brings us to the real issue: the problem of a few Muslim opportunists who are exploiting the morbid dread of Islam in the hearts of Islamophobes in different ways. They promote themselves by presenting views of the enemies of Islam in different words. It leads to the Islamophobes' objective of introducing different forms of Islam and different classes of Muslims.

Islamophobes' intention behind introducing "moderate" Islam and Muslims becomes evident when they reject argument from some leading self-proclaimed "moderates" as "reformist apologetic."[2] To the contrary, persons such as Irshad Manji, who are shunned even by the self-proclaimed "moderates," are presented as a "practicing Muslim" and real moderates[3] because they sound more in consonance with the anti-Islam agenda.

The acceptable-to-Islamophobes "moderates," in fact, believe that "an uncritical acceptance of the Qur'an as the final manifesto of God" is one of the "disturbing cornerstones of Islam."[4] So the real moderation in the eyes of the standard-setters for "moderate" Muslims is to reject the Qur'an as the final manifesto of Allah. Are Musharraf and his supporters in the deceptive "enlightened moderation" ready for accepting this kind of standards? If not, they are acceptable as long as they can sell something of interest to their masters. There is no limit to moderation in the eyes of their masters, busy in undermining Islam. The acceptable "moderates" — the "practicing Muslims" such as Irashad Manji — now call the rest of the self-proclaimed "moderates" as "so-called moderates" and equate them with "fundamentalists" for sharing a "sense of spiritual supremacy."[5]

To get out of this confusion, we need to understand that the clear commands for Muslims are to be moderate by default.

[6] Being moderate is a prerequisite for being a good Muslim. It is not an identity label for a specific kind of Muslims out there to please and appease others. The most perfect moderates are those who most seriously follow the Qur'an and Sunnah. Accordingly, Muslims cannot be part time or partial Muslims to be considered as moderate by virtue of rejecting part of the Qur'an and accepting part of it (Al-Qur'an 2:85).[7]

Islam is a Muslim's identity. It means submission (to Allah) and peace. It embodies the basic elements of moderation — balance, due proportion, tolerance, justice and equity — because abiding each and tranquility is unthinkable in a situation of extremes. In fact, moderation or balance is the core value, the very soul of Islam.

In the light of specific verses — 2:143, 4:171, 25:67, 17:26-27, 20:81, 6:108, 2:178, 17:33, 5:45, 42:40 — and numerous others where fairness, justice and balance are extolled and excess is deplored, we can safely say that those who suggest moderating Islam, only expose their ignorance of the Divine Message.

The fact is that Islam enjoins its followers to give lessons in moderation to other people. What the Muslims need today, therefore, is not lectures in the concept of moderation, but to delve into the treasure trove of guidance that Islam has already bequeathed to them.

To confirm demystification of moderation, we need to see who the visible enemies of Islam consider as "extremists" and "Islamists." The standard-setters for "moderate" Muslims believe that strong belief in the totality of the Qur'an makes Muslims "Islamists," and "extremists."[8] Accordingly, the most partial believers of the Qur'an become the most perfect "moderates" because promoters of the "moderate" Muslims believe they "are absolutely at war with the vision of life that is prescribed to all Muslims in the Koran,"[9] which, in their view, contains 389 specifically intolerant verses.[10]

This shows what Musharraf is presenting might be some kind of intelligent deception to him. But it is, in fact, a foolish self-deception. He titles his adventure as "enlightened moderation," to make it acceptable to the shrewd enemies of Islam. At the same time, he attempts to deceive Muslims by talking about totally irrelevant things to give the common man an impression that "moderation" is all about good feelings for reconciliation, tolerance and poverty alleviation. The well-known criteria of Islamophobes for "moderate" Muslims clearly shows that this is not what is expected of "moderate" Muslims and their moderation.

Besides what is mentioned above, "moderates" are required to totally reject parts of the Qur'an, such as rejecting the clear commands about inheritance [11](Al-Qur'an 4:11-14, 4:33, 4:176), court testimony[12] (Al-Qur'an 2:282) and even Riba[13] (Al-Qur'an 2:275-76, 278-79; 3:130; 4:161; 30:39). The overt Islamophobes publicly say that "the fundamentals of Islam are a threat to us."[14] It clearly shows that Islamophobes do not want the "moderates" they support to follow fundamentals of Islam according to the Qur'an and Sunnah.

Conclusion

Islam tells Muslims on several occasions not to coerce other people (2:256, 5:92, 24:54, 6:125, 42:48, 76:03, 18:29, 6:106, 17:07). Accordingly, Muslims must present the message to them in the most cogent and clear way, invite them to the truth and do their best in presenting and conveying the Truth, but it is up to people to accept or not to accept. Thus intolerance could not be ascribed to a book which excludes compulsion from

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 34

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeemorg)

Moderate Islam or Effective Subservience

On the opposite ends of the broad spectrum of anti-Islam views, there are two very general and deep-rooted misconceptions: one that the Holy Qur'an preaches intolerance, and the other that Islam is a religion of peace alone. Misrepresentations on the part of both Muslims and non-Muslims could go no further.

The basic principle of Islam, a faith in all the prophets of the world, is enough to give the lie to the first misconception. The Qur'an that preaches not only love and respect for the founders of the great religions of the world, but much more than that — faith in them — could not shrink down to the narrowness of intolerance for those very religions.

Zero tolerance for zulm — injustice and oppression — in Islam negates the second misconception that it is a religion of peace alone.

To demystify this pair of grand misconceptions, we need to study words and deeds of the present day self proclaimed "moderates" who are exploiting the second misconception in their favor, which indirectly leads to consolidation of the first.

Analysis of Musharraf's approach Musharraf's adding "enlightened" to "moderation" gives an impression as if other opportunists are preaching some kind of inferior or benighted moderation. However, his best explanation could hardly tell the difference between the confusion which several others are spreading in the name of moderate Islam for their self-interest.[1]

According to Musharraf, the "suffering" of his "brethren in faith" at the "hands of militants, extremists, terrorists, have inspired" him to come up with "the strategy of Enlightened Moderation."

Here we must note that Musharraf: a) tries to kill two birds in one shot, i.e., to please both Muslims and the enemies of Islam; b) presents 'enlightened moderation' as a strategy not a value or a form of Islam to avoid annoying Muslims; c) confirms Islamophobes perspective that the root of the global turmoil lies with Muslims alone; d) gives legitimacy to the Islamophobes classification of Muslims and Islam e) attempts to show that Islam and secularism are compatible, and f) hides the source of his inspiration — his self interest.

Like other self-proclaimed moderates, Musharraf has no clarification as to why a true Muslim would not be a moderate without following Musharraf's agenda for moderation or the much vaunted enlightenment. Instead, he tries to prove that the world would have been a peaceful place if there were no "plastic explosives, combined with hi-tech, remotely controlled activation means superimposed by a proliferation of suicide bombers." His strategy begins with meaningless appeals that "something has to be done quickly to stop this carnage."

Compare this biased assessment with the ability and atrocities of those who are neck deep in innocent blood: who have stockpiles of nuclear and biological weapons and who bypassed even the UN to occupy two sovereign states, and who killed at least 150,000 people since 9/11 alone on the basis of lies upon lies. What amounts to a carnage? 3,000 at the hands of unknown perpetrators or 128,000 at the hands of known liars? Is this enlightened moderation to plead guilty to crimes of unknown culprits and turn a blind eye to the acts of known extremists, and appeal victims of their aggression to "quickly stop this carnage"?

For Musharraf and company moderation is "a two-pronged strategy" of a) "shunning militancy, extremism" and b) "adopting the path of socio-economic uplift." This appeal-based strategy does not explains how the so-called "moderate" Islam is different than the Islam as prescribed by the Qur'an and Sunnah. Why should one follow them and not the source?

As far the two prongs are concerned, no one loves to live in perpetual violence and never-ending poverty. The pre-requisite for addressing these problems is not embracing some kind of convoluted form of Islam. The pre-requisite is brining aggression to a halt, leaving the victims of oppression alone; bringing an end to the exploitative political and economic systems and structures, and most importantly making the aggressor pay reparations for the damage done. Is an attractive title to the strategy for effective subservience good enough to fulfill any of these pre-requisites?

Muslims' alleged obsession with their faith has no role in the miserable situation they are facing today. Instead, it is the lack of obsession that keeps Muslims groping in the dark. They don't need any moderation in embracing or practicing Islam. The title, enlightened moderation, is totally deceptive and irrelevant to the proposed strategy. The strategy, in turn, is totally devoid of common sense and the prevailing reality.

Blindness of the proposed strategy touches its peak, when Musharraf adds a series of appeals with regard to "the role to be played by the West," saying the US "must aim at resolutely resolving all political disputes with justice," "resolve the political disputes enumerated above with justice" and "justice must be done and seen to be done." Well said.

The excessive stress on justice, however, shows that the label of moderation is deceptive in the first place. What Musharraf is appealing for is exactly what the so-labeled extremists are demanding. Why is it so that when Musharraf begs for it, it is OK. But if someone else just talks about it, it becomes extremism?

Besides the apologetic tone, what makes Musharraf a moderate in this case is his hypocrisy of saying one thing and doing exactly the other. Sustaining an unjust order and demanding justice from the same doesn't make any sense. Facilitating the unjust in occupying Muslim countries; handing as many Muslims as possible for filling the modern-day concentration camps and killing as many of his "brethren in faith" as possible to please Washington, and then appealing for justice to the same unjust authority doesn't simply add up.

The hypocrisy is further reflected in Musharraf's statement that the "root cause of extremism and militancy lies in political injustice, denial and deprivation." That is true. However, is he not playing a lead role in perpetuating "political injustice, denial and deprivation"? Who is responsible for what he calls "acute sense of deprivation, hopelessness and powerlessness,"